Kitab K..

1594

سفر شاد نگر

مرتبہ

ہز ایکسیلنسی راجہ راجایان سر کشن پرشاد مہاراجہ بہادر

سفر شاد نگر

از تصنیفات

ہز اکسلنسی راجہ راجایان سر کشن پرشاد مہاراجہ بہادر یمین السلطنة

کے سی آئی ای، جی سی آئی ای

پیشکار و سابق وزیر اعظم دولت آصفیہ المتخلص بہ شاد صوفی

تلمیذ حضرت آصف غفران مکان علیہ الرحمہ

باہتمام محمد مقتدی خاں شروانی

مطبع مسلم یونیورسٹی انسٹی ٹیوٹ علی گڑھ میں ۱۳۴۰ھ ۱۹۲۲ء طبع ہوا

وحدہٗ لا الٰہ الا ھو

میرا یہ مختصر سفر آج ۱۰ ربیع الآخر ۱۳۴۰ھ مطابق ۷ بہمن ۱۳۳۱ف موافق ۱۰ دسمبر ۱۹۲۱ء روز سہ شنبہ سے شروع ہوتا ہے۔

تین چار روز قبل میں اپنی جاگیر تعلقہ فرخ نگر کے ایک موضع میں (جس کے ریلوے اسٹیشن کا نام بجائے جٹّان پلّی کے اب شادنگر ہے) مع اپنے فرزندوں کے صرف اس لئے آیا کہ اگر آب و ہوا یہاں کی اچھی ہو تو دو چار روز یہاں آکر رہوں۔ چنانچہ یہاں آیا اور ایک شب قیام کرکے بلدہ کو واپس گیا۔

صفائی آب و ہوا اور کھلے ہوئے منظر کے اعتبار سے یہ مقام چونکہ امتیازِ خاص رکھتا ہے، خصوصاً موسمِ گرما میں شب کے وقت تو یہ مقام دل فریبی میں شاعرانہ اعتبار سے بہشت کا ٹکڑا سمجھا جاتا ہے۔ اس خیال سے منتظم انگریزی سید عبدالحسین صاحب کو حکم دیا کہ ایک سیلون (Saloon)

اور تین سکنڈ کلاس ڈبّوں کا انتظام کرکے اسٹیشن فلک نما پر تیار رکھیں۔ سرکار میں معروضہ پیش کرکے تین ہفتہ کی رخصت حاصل کی۔ سرکار نے براہِ نوازش رخصت منظور فرماتے ہوئے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ خود بدولت بھی ۲۵ ماہ حال کو محبوب نگر کی سمت تشریف فرما ہونگے اُس وقت اسپیشل یہاں ٹھیرے گی اور ایک دن یا ایک شب کے واسطے سرکار مع خاندان شاہی شادنگر میں رونق بخش ہوکر عزّت افزائی فرمائیں گے۔

بحمداللہ تعالےٰ شانہٗ یہ شعر صادق آیا ؎

خدا کی دین کا موسیٰ سے پوچھئے احوال
کہ آگ لینے کو جائیں پیمبری مل جائے

بیک کرشمہ دو کار اسی کو کہتے ہیں۔ الغرض بفضلہٖ تعالےٰ آج ۱۰ ربیع الآخر سنہ ۱۳۴۰ھ روز شنبہ کو مع فیملی Family اور اسٹاف کے ساڑھے گیارہ بجے سٹی سیلس سے موٹروں پر سوار ہوکر اسٹیشن فلک نما پر پہونچا۔ ہیڈ ڈرائیور موٹرخانہ کو حکم دیا کہ وہ تین موٹریں لے کر شادنگر آجائے۔

منتظم انگریزی نے دو دن کے بعد آنے کی اجازت لے لی تھی۔ منتظم اردو کا بھی خیال تھا کہ دو ایک دن کے بعد آئیں لیکن جب اُن کو یہ معلوم ہوا کہ معتمد اسسٹنٹ اور مددگار معتمد بھی ہمراہ نہیں ہیں منتظم انگریزی بھی دو دن کی اجازت حاصل کرچکے ہیں، اس صورت میں کسی عہدہ دار کے

موجود نہ رہنے پر میرے احکام کی تعمیلی ضرورتوں کا احساس کر کے وہ فوراً تیار ہو کر یاقوت پورہ کے اسٹیشن سے سوار ہو کر اسٹیشن فلک نما پر مجھ سے آکر مل گئے۔

میرے ہمراہیوں میں علاوہ فیملی اور اُن کے تمام ملازمین کے حسب تفصیل ذیل ملازمین تھے۔ سید صادق حسین غبار منتظم پیشی صیغہ اُردو مع اُن کے دفتر کے دو خوشنولیسوں اور ایک محافظ دفتر کے۔ مددگار منتظم انگریزی۔ دواخانہ انگریزی میں دو مددگار ڈاکٹر ایک ڈریسر اور ایک ملازم۔ ڈاکٹر عبدالحسین (ارسطو جنگ بہادر) بندگانِ اعلیٰ حضرت کے حکم سے دریافت آب و ہوا کے لئے محبوب نگر جانے والے تھے وہ بھی اتفاق سے ہماری ریل میں تھے۔ نیز اور ضروری عہدوں کے ملازم تھے۔ بارہ بج کر پندرہ منٹ پر ہماری گاڑی شادنگر کی طرف روانہ ہوئی۔ اسٹیشن شادنگر تک حسب ذیل پانچ اسٹیشن ہیں۔ فلک نما۔ عمدہ نگر۔ گیٹ عـــہ شاہ پور۔ تما پور گیٹ عـــہ نندگاؤں۔ شادنگر۔ پونے تین بجے ہم شادنگر پہونچے۔ میرے ڈبے علیحدہ کئے جا کر سائڈنگ میں پہونچائے گئے۔ حافظ عبدالرحیم صاحب تحصیلدار تعلقہ فرخ نگر مع پولیس پٹیل و مقدم پٹواری اور عمال تحصیل کے اور بہادر دل خاں خلف نواب اعظم علی خاں مرحوم مع اپنے ملازمین کے

عـــہ یکم جنوری ۱۹۲۲ء سے یہ گیٹ بند ہو گئے ہیں

اسٹیشن پر موجود تھے۔ میں اپنے سیلون سے اُتر کر اپنے بنگلہ میں آیا جو اسٹیشن کے قریب ہی۔ بنگلہ کے قریب خیمے ڈیرے نصب کئے گئے تھے۔ فیملی کو میانہ کے ذریعہ سے بنگلہ میں پہونچایا گیا۔ اور میں اپنے خیمہ میں آکر بیٹھا۔ سیّد صادق حسین عبّار اور بہادر دل خاں صاحب سے کچھ دیر باتیں کرکے بنگلہ میں گیا۔

منتظم پیشی آرد و اپنے عملہ کے ساتھ کیمپ سے تھوڑی دُور ایک خیمہ میں چلے گئے اور ہمراہیوں کے متعلق گزارش پیش کرکے ضروری احکام حاصل کئے۔ ساڑھے پانچ بجے شام کے بلدہ سے موٹریں بھی آگئیں۔ برخوردار راجہ خواجہ پرشاد۔ خواجہ نصر اللہ۔ خواجہ اسد اللہ اطال اللہ عمرہم موٹر پر سوار ہو کر ہوا خوری کو گئے۔

چونکہ ڈاکٹر عبد الحسین صاحب محبوب نگر جانے والے تھے ٹرین مس (Miss) ہونے کی وجہ سے ٹھہر گئے تھے اس لئے اُن کو موٹر میں سوار کرکے محبوب نگر کو روانہ کیا۔

(۸ ربہمن ۱۳۳۱ ف - ۱۱ ربیع الآخر ۱۳۴۰ھ - ۱۱ دسمبر ۱۹۲۱ء یکشنبہ)

حسب معمول صبح کے چار بجے بیدار اور حوائج ضروری سے فراغت پاکر اپنے مالک حقیقی کو یاد کرتا رہا۔

آسمانی تھیٹر میں ہم نے صبح کو شبنمی پردہ گرتے دیکھا یہ بھی دیکھا کہ

نیچر کے ایکٹر نے کرۂ ارض کے اسٹیج پر صبح کا سین دکھلانے کو کس عجیب طریقہ سے رات کا پردہ ہٹایا اور صبح کا دکھایا۔ جو ستارے تمام رات جگمگاتے رہے وہ کس طرح جھلملا جھلملا کر چھپ رہے ہیں۔ اور چاند کا قدرتی لیمپ جو ابھی روشن تھا کس صفائی سے ہمارے سامنے سے بڑھایا اور صبح کا سین کس دلچسپی سے ہم کو دکھایا گیا۔ ابھی صبح کی سہانی سنہری ہمارے پیش نظر تھی اور آسمان سے زمین تک ایک نورانی حالت کا منظر نظر کو اپنی طرف کھینچے ہوئے تھا کہ یکایک صبح کا پردہ اُٹھا اور ایک نگارِ آتشین عذار تختِ زرنگار پر جلوہ افروز نظر آنے لگا۔ مرزا غالب

صبحدم دروازۂ خاور کھُلا مہرِ عالمتاب کا منظر کھُلا
دیکھتے ہی دیکھتے آیا نظر اک نگارِ آتشیں رُخ سر کھُلا

میں آٹھ بجے باہر آیا۔ بہادر دل خاں صاحب شکاری لباس میں آئے ہوئے تھے۔ اُن سے ملا۔ ایک کولی ایک خرگوش پکڑ کر لایا تھا بچّوں کے اصرار پر اُس کو چھوڑ کر تازی کتّے اُس پر چھوڑے گئے۔

یہ تماشا بھی قابل دید تھا کہ خرگوش جھکائیاں دیتا ہوا دوڑتا تھا اور کتّے اُس کا پیچھا کئے ہوئے تھے۔ تازی کتّے نے آخر اُس کو تھکا تھکا کر پکڑا اور ایسا جھنجھوڑا کہ وہ نیم جان ہو گیا۔ میں نے اُس کی تصویر لی۔

اس کے بعد ٹہلتا ہوا ہمراہیوں کے ساتھ فرخ نگر کی سڑک پر

(Water Colour painting)
تھوڑی دُور تک گیا اور واپس آیا۔ کچھ دیر تک واٹر کلر پینٹنگ سے دل بہلاتا رہا۔ غبار صاحب منتظم پیشی کے پیش کئے ہوئے کاغذات متعلقۂ کیمپ دیکھے۔ چند لفافے موسومہ معتمد اسسٹنٹ منتظم پیشی کے پاس بھیجکر حکم دیا کہ آج ہی اُن کے پاس پہونچا دیئے جائیں۔

لائل گزٹ کے اڈیٹر نے ۲۶ ستمبر سنہ ۱۹۲۱ء کو خط کے ذریعہ سے مجھ سے خواہش کی کہ لائل گزٹ کے سیشل نمبر گرو گوبند سنگھ جی مہاراج کے لئے ایک مضمون لکھوں۔ بلدہ میں کثرت کار و ہجوم افکار سے اُس کے لکھنے کا موقع نہ ملا۔ میرے حافظے سے بھی نکل گیا تھا۔ کل جب میں شادنگر کو روانہ ہونے والا تھا اُن کا دوسرا خط مورخہ ۱۶ اکتوبر سنہ ۱۹۲۱ء پھر مجھے ملا۔ بھولا ہوا خیال یاد آگیا۔ آج اُس پر ایک مضمون لکھ کر منتظم پیشی کے پاس بھیجا کہ لائل گزٹ میں بھیجدیں۔ وہ مضمون یہ ہے۔

گرو گوبند سنگھ جی مہاراج*

ہستی مخلوقات قانون قدرت کی اسی دفعہ کے تابع ہے کہ جب کسی ملک یا قوم پر نکبت و ادبار کی گھٹا چھا جاتی ہے، اور مذہبی، تمدنی، اخلاقی

---

* یہ مضمون لائل گزٹ کے سیشل نمبر میں طبع ہوا ہے

معاشرتی، اعتقادی بدعنوانیاں حدِ اعتدال سے متجاوز ہو جاتی ہیں، کفر و ضلالت کی تاریکی ایمان کے نور پر قبضہ کر لیتی ہے اُس وقت ایک ایسا ہادی اپنے نورِ ہدایت سے کفر و ضلالت شرک و بدعت کی تیرگی کو مٹاتا ہے جو تدبیر و شجاعت عقل و شرافت، عدل و انصاف کے ساتھ حق پرستی کو رواج دینے کے لئے امتیاز خاص رکھتا ہو۔ اسی خصوصیت کے لحاظ سے ہندوؤں کی قوم میں ہر زمانے میں ایک رہبر اور صادق عاشق خدا کا پیدا ہونا لازمی مانا گیا ہے۔ خواہ وہ ظاہر بینوں کی نظروں میں کوئی مرتبہ رکھتا ہو اور کسی نام سے پکارا جائے۔ ولی یا نبی وغیرہ وغیرہ۔ ہدایت کا دروازہ کبھی بھی بند نہیں ہو سکتا۔ اس کو غالباً ہر اہل مذہب جس کے دل میں مذہب کی چنگاری چمکتی ہو دل سے مانتا ہے۔

اقوامِ عالم کی تاریخ میں ہادیانِ دین و ملّت کی عظمت کا راز طشت از بام ہو گیا حالاں کہ یونان کی سابقہ عظمت و جبروت کا آج نشان نظر نہیں آتا۔ کیخسرو و کیکاؤس کی تاریک طاقت ظلمتِ گمنامی میں پوشیدہ ہے۔

دنیا کے تماشہ گاہ پر کیسے کیسے خاصانِ خدا اور رہنما آئے۔ آئے اور چلے گئے۔ نظر سے اوجھل ہوتے گئے دنیا کو اس کی حسرت رہ گئی کہ اُن کی قبروں کا نشان ہی دیکھ لیا جاتا یا اُس سنگ مرمر کا کوئی ٹکڑا ہی

نظر سے گزرتا جس سے قبر میں آرام کرنے والے باخدا کی زندگی کا پتہ چلتا لیکن شہیدانِ صادق کی شخصیت کسی ظاہری نمود کی شرمندۂ احسان نہیں ہوتی ان کے کارنامے انسان کی ہستی کا مایۂ ناز ہیں اور اُن کی مقدس یاد اُس دیر یا یادگار کی ایک مثال ہے جسے سجدہ گاہ بنانے میں راہروانِ طریق ہدایت نے کوئی غلطی نہیں کی ؂

ہرگز نمیرد آں کہ دلش زندہ شد بہ عشق
ثبت ست بر جریدۂ عالم دوام ما

جن میں ست گرو گوبند سنگھ جی مہاراج کی شخصیت تاریخ عالم میں سونے کے جلی قلم سے لکھی ہوئی نظر آتی ہے اور جس کو زمانہ کی کوئی انقلابی رفتار مٹا نہیں سکتی اور جو ڈھائی تین صدی گزرنے پر بھی تازہ ہے۔

چوں کہ ست گرو کی فلسفیانہ شخصیت مذہبی تفرقات سے بالاتر تھی اور چوں کہ ان کے پیشرو رہبرِ حقیقی گورونانک نے اپنے فلسفۂ وحدانیت میں کسی خاص محدود فرقہ کی گنجائش نہ رکھی تھی اس لئے یہ کچھ ضرور نہیں کہ صرف خالصہ قوم ہی ان کے فیضانِ صحبت سے استفاضہ حاصل کرتی بلکہ اس عظیم الشان دعوت میں ہر شخص بلا امتیاز مذہب وملت ادنیٰ اعلےٰ برنا و پیر۔ ہندو مسلمان۔ جینی۔ سکھ۔ عیسائی اور موسائی شامل ہو سکتے ہیں اور شامل تھے اور شامل رہیں گے۔

گورو گوبند سنگھ مہاراج کا ظہور سنہ ۱۷۲۳ء میں شہر پٹنہ میں ہوا۔ یہ سکھوں کے دسویں اور آخری گورو ہیں۔ یہ نویں گرو صاحب کے اکلوتے بیٹے۔ چھٹے گورو صاحب کے پوتے۔ ساتویں گرو صاحب کے چچازاد بھائی۔ آٹھویں گورو صاحب کے چچا ہیں۔ ان کی پیدائش گرو نانک دیو جی کی پیدائش سے (۱۹۷) سال بعد ہوئی۔ گوبند سنگھ مہاراج کے اوصاف میں تمام تاریخیں متفق الرائے والمعنی گواہی دے رہی ہیں کہ یہ تمام اوتاروں۔ رشیوں اور سنتوں کے صادق پرتو تھے اور اُن کے اوصاف کی روشنی کی جھلک ان میں نظر آتی تھی۔ یعنی مہاتما گوتم بدھ کا زہد، سری رام چندر جی کی عبادت مندی و مردانگی، کرشن مہاراج کی دقیقہ سنجی و فرزانگی۔ بیاس جی کا علم منو جی کا قانون، یدھشتر کی راست گفتاری۔ ارجن کی صداقت کوشی، متاخرین میں داؤو جی کی استغنائی، تلسی رام کا پریم رس کبیر جی کی صاف گوئی، راجہ رام موہن رائے کی وسیع الخیالی بدرجۂ کمال ان کی ذات میں موجود تھی۔

جس وقت آپ کی عمر دس برس کی تھی اکثر شکار و تیر اندازی کی مشق کے لئے جمنا کے کنارے آیا کرتے تھے۔ بچوں کی فوج مرتب کر کے خود کمانڈر ان چیف کے عہدہ کا کام انجام دیتے تھے۔

گورو صاحب کے اوصاف سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کا یہ شغل نہ صرف

جوانی کے جذبات ہی کے تابع تھا بلکہ آئندہ ہونہار اور ظہور پذیر واقعات کا پیش خیمہ تھا اور اس کی تہ میں وہ غرض مخفی تھی جو بعد میں ان کے کارناموں سے ظاہر ہوئی۔ جن ہستیوں کے دماغ اور ضمیر مضبوط اور مستقل ہوتے ہیں ان کے ابتدائی مشاغل اور مصروفیت ان سلسلوں سے وابستہ ہوتے ہیں جن میں مشکلات کا اور مصائب کا مقابلہ جزو اعظم ہوتا ہے۔ مشکل پسند وہی طبائع ہیں جو دنیا میں کچھ کرکے دکھانا چاہتی ہیں اور قدرت جن کا نام اس کائنات میں عزت کے ساتھ رکھنا چاہتی ہے۔

گورو گوبند سنگھ جی کی نموداری اور یادگار زندگی دو فرضوں سے وابستہ تھی۔

(۱) فرضِ مذہبی۔ (۲) فرضِ تمدّنی

چونکہ وہ ایک مستقل فرقہ کے پیشوا اور گورو تھے اس لئے جس قدر لوگ ان کی عقیدت میں تھے اُن کا فرض تھا کہ ان ہی دونوں فرضوں کے اعتبار سے اُن کو ایک سلک میں منسلک کرنے کی کوشش کریں۔ ان کی کوشش کا پہلا قدم لوگوں کو خالص خداپرستی، وحدت اور ساداتی اتحاد پر لانا تھا۔ گورو صاحب نے تمام قسم کی بت پرستی اور اوہام پرستی کو نہ صرف ملیامیٹ کیا بلکہ مذہبی تعلیم کے ساتھ ہی ساتھ تمدن، بہادری اور شجاعت کی تعلیم بھی دی۔ اصولاً بھی کوئی قوم اُس وقت تک جری و بہادر نہیں بن سکتی جب تک کہ وہ وحدت

پرستی کی تعلیم کے مدارج طے نہ کرچکی ہو۔

گروجی تقریباً اکتیس سال تک فرماں روائے گدیائی رہے ان کا زمانہ قوم کے واسطے ایک ایسا زمانہ تھا جس میں اس کی ترقی اور عروج مذہبی اور تمدنی ترقیوں کے سامان اور ذرائع مہیا کئے جاتے رہے۔ ان کے وصال پر قوم کے دل و دماغ پر جو صدمہ پہنچا وہ وہی لوگ جان سکتے ہیں جن کی موجودگی میں وہ واقع ہوا تھا۔ نہ صرف قوم ہی کے لوگوں نے افسوس کیا بلکہ دوسری قوم والوں نے بھی اس واقعہ کے پیش آنے پر خون کے آنسو بہائے اور محسوس کیا کہ ملک میں سے ایک بڑی روح گزر گئی اور اس دل و دماغ کا خوبی کے ساتھ خاتمہ ہوا جو اپنے ساتھ ایک فریضۂ ہدایت لایا تھا۔

شاد عفی عنہ

(۹ بہمن ۱۳۳۱ف ۱۱ ربیع الآخر ۱۳۴۰ھ ۱۱ دسمبر ۱۹۲۱ء روز دوشنبہ)

آج میری سب سے چھوٹی لڑکی نور چشمی کرشن کنور بی بی طول عمرہا ہمشیرۂ خرد برخوردار راجہ خواجہ پرشاد طول عمرہٗ زید قدرہٗ کی رسم موتراشی (عقیقہ) ہوئی جس کے لئے بلدہ سے (پروہت) از نائی وغیرہ آئے تھے بساعت سعید ادا کی گئی

بہادر دل خاں صاحب آئے ہوئے تھے میں اُن سے ملا اور باتیں کرتا جنگل کی طرف ٹہلتا ہوا گیا وہاں کچھ دیر واٹر کلر پینٹنگ کے شغل سے دل بہلاتا رہا۔ وہاں سے واپس آکر میں نے دو دعوتی کارڈ دیکھے جو مولوی احمد حسین

صاحب (امین جنگ بہادر) نے اپنی دختر و فرزند کی شادی میں شریک ہونے کے لئے بھیجے تھے۔ میں نے اسی وقت ایک قطعہ نظم کیا۔ شادی دختر کے کارڈ کا جواب حسب ذیل تھا۔

بتقریب شادی خانہ آبادی دختر مولوی احمد حسین امین جنگ بہادر

صدر المہام پیشی خداوندی

گلابی کارڈ جو دعوت کا شاد کو بھیجا — خوشی سے شادی دختر کے تم رہو دل شاد

ضرور شادی کی دعوت میں شاد ہوتا شریک — مگر ہے شاد نگر میں دربن لا یہ شاد

اگرچہ دور ہوں ظاہر میں دل سے ہوں میں قریب — خدا کرے کہ رہے گھر یہ شادی کا آباد

چڑھے یہ بیل منڈھے اور دونوں پھولیں پھلیں — عروس یعنی کہ دختر تمھاری اور داماد

خدا کرے کہ نواسہ ہو سالِ آئندہ — ہو بارور مرے اللہ جلد نخلِ مراد

یہ غیر حاضری شاد ہو نہ موجبِ رنج — کہ دل سے آپ کا ہے دوست بیگماں یہ شاد

مبالغہ اسے سمجھو تو ہے خدا آگاہ — گواہ اس سے نہیں کوئی اور یہاں پہ یاد

دلوں کے حال سے واقف ہے وہ علیم اک دوست — کہے دروغ تو لعنت بحالتِ کیاد

جو ہوگا صوفی و عارف کبھی کہیگا نہ جھوٹ — پھر اس پہ اور شرافت اگر ہو اس سے زیاد

ہیں آئینہ ہوں تمھارا تم آئینہ ہو مرے — تمھارے دل سے جو پوچھو تو ٹھیک ہے نقاد

یہ دل سے شاد کے نکلی دعائے تاریخی		مدام شاد رہیں باپ بیٹی اور داماد
		۱۳ ھ ۴۰

پھر میں شام تک کہیں نہیں گیا۔

آج میں نے حکم دیا کہ ٹرافک منیجر ریلوے سکندرآباد کو تار دیا جائے کہ ایک ڈبہ فرسٹ کلاس اور دو ڈبے سکنڈ کلاس اسٹیشن شاد نگر پر و نپرتی روڈ جانے کے لئے بھیجدیں۔

تین بجے کے قریب ایک دعوتی کارڈ مولوی سید امیر حسن صاحب تعلقدار وظیفہ یاب حسن خدمت کا پہونچا۔ اُن کی نواسی کی شادی آغا سید حیدر حسن دہلوی ریختی نثر نویس کے ساتھ قرار پائی ہے۔ اُس کے ساتھ ہی ایک دعوتی کارڈ سید حیدر حسن (دولہا) کا پہونچا آج میں نے قصد کرلیا ہے کہ ان دونوں کارڈوں کا جواب بھی نظم میں ادا کروں۔ چنانچہ پہلے میں نے مولوی سید امیر حسن صاحب کے کارڈ کا جواب نظم کیا۔ وہو ہذا۔

قطعہ تاریخ شادیِ نواسی مولوی سید امیر حسن صاحب تعلقدار

ہو مبارک نواسی کی شادی	مہربان میرے اے امیر حسن
تمھیں داماد نیک بخت ملا	اور نواسی تمھاری ہے کندن
دولہا دلبر عروس ہے دلدار	دولہا دلہن بہت ہی نیک چلن
سب ہیں لیکن تمھارے دم کیساتھ	تم ہی سے گھر تمہارا ہے روشن

اس میں اصلا نہیں ہے شبہ و شک
اور مولا کے دل سے ہو بندے
کر کے مجلس میں مرثیہ خوانی
ہاں ہنساتے ہو اور رُلاتے ہو
بات کے تم دھنی ہو اور پکّے
شاد رکھے تمھیں خدائے جہاں

تم حسینی ہوا سے امیر حسن
جس کی جیتے ہو من سے تم سُمرن
کرتے ہو دل سے نالۂ و شیون
ساری مجلس کو تم ہو جہ حسن
جانتے ہیں سب اس کو اہلِ دکن
اور خوش تم سے ہوں حسینؑ و حسنؑ

مصرعۂ سال شاد سے سُن لو
رہیں با اوج و خوش یہ دولھا دُلہن

اس نظم کو خوشنویس کو بیضہ کے لئے دیا اور آغا سیّد حیدر حسن کے دعوتی کارڈ کا جواب لکھنے کے لئے آمادہ ہوا۔ اس نظم میں چونکہ مجھے کسی قدر مذاق بھی کرنا تھا اس لئے کہ اُن کی ریختی نثر بڑے چوچلے کی ہوتی ہے اور وہ خود بھی ایک با مذاق آدمی ہیں اُس کا جو جواب حوالہ قلم کیا گیا ناظرین روزنامچہ کی دلچسپی کے لئے درج ذیل ہے

میرے آغا کا خط پھونچا
شادی جم جم تم کو مبارک
دودھوں نہاؤ پوتوں پھلو تم
دوست کی بیٹی دوست ہے دُولھا
دولھن لایق دولھا لایق
فارسی اُردو اور انگریزی

شاد ہوا دل شاد ہوا
دیتا ہوں میں بدھائی آغا
سکھ سے رہو تم دُلھن دُلھا
کیسا ملا ہے جوڑا اچھّا
سعدین کا قِران ہے اچھّا
ان سب میں ہے دولھا اچھّا

طرفہ صفت یہ ہے دولھا میں ریختی کی نثروں میں یکتا
پیارے آغا نے یہ لکھا دو خطبے ہونگے ایک ہی جا
شیعہ سنّی کی پچ بتلائی یہ سارا پیارے ہے جھگڑا
ایک خدا ہے نبیؐ ہے ایک ذات وصفت میں جو ہے یکتا
ایک ہی سے سب شئے ہے ظاہر کثرت میں پھر وہ ہے اکیلا
کون عدد اس ایک بن دیکھا نقشہ جما جو دل میں دو کا
جو ہے موحد دو کیا جانے دوئی کا ہر دم منہ ہے کالا
اَنَا مِن نُورِ اللہ کہا ہے تم کو نہیں ہے کیا یاد آغا
دوئی کو چھوڑو ایک کو پکڑو دوئی کا جھگڑا نہیں ہے اچھا
کیا سنّی اور کیا ہے شیعہ دونوں کا ہے وہ اک مولا
کیا گوری اور کیا ہے کالی سب گوپیاں ہیں ایک کنھیا
اس کی مرلی کی ہے جادھن من موہن سب کو ہے پیارا
وہ ہی بجائے وہ ہی ناچے گوپ گوالن کا وہ ہے رسیا
عقد اک کے بس دو نہ کرو تم دلھن والوں کو غم ہوگا
پیاری دلھن جب سن لیگی سنّی مذہب ہے یہ دولھا
دل میں کڑھے گی بدظن ہوگی رنگ میں بھنگ نہیں ہے اچھا
تیری میری کیسے بنے گی بولے گی یہ دلھن آغا
کھیتی کھیلی وہ جی بھر کر موا سنّی کس کا دولھا

ایڑی چوٹی پر سے واروں ۔ آگ میں جھلسوں منہ سُنّی کا
سُنّی ہو کر سیج جگائے ۔ مجھ سے نہ ہوگا ہرگز ایسا
مجھ کو چاہے مجھ سا ہو جا ۔ میں تیری اور تو ہو میرا
مجھ سے گر تو جبر کرے گا ۔ بھرتا نکالوں گی میں تیرا
گر تھا تعصب من میں تیرے ۔ شیعوں سے کیوں رشتہ جوڑا
تو ہے سُنّی لڑکی شیعہ ۔ کیوں کر تجھ سے جوڑا ملے گا
پھر تو دھینگا مشتی ہوگی ۔ کون بچانے کو آئے گا
مارے گی وہ پٹّی پکڑ کر ۔ تھپڑوں سے منہ ہوگا نیلا
پکڑو گے گر ہاتھ تم اُس کے ۔ لاتیں مارے گی وہ رسیا
سیج پر سے دھم سے گرے گا ۔ ارے ارے کہہ کے اُس دم وہ اُٹھا
ہاتھ موئے بے شرم سُنّی ۔ مذہب کا تو نے پھل پایا
تجھ میں دُئی تھی تو پھر تو نے ۔ مجھ کو موئے کیوں جورو بنایا
کیا میں تجھ پر مرتی تھی ۔ کیا کوئی خط تھا اس نے بھیجا
کیا میں نے تھی منت مانی ۔ کیا میں نے تجھکو کہیں تھا دیکھا
تو نے ہی کی رشتہ دوانی ۔ تو نے باوا کو خط لکھا تھا
تو نے ہی پھیرے کئے تھے گھر کے ۔ تو نے ہی پیغام بھیجا تھا
اُس دم کہاں تھی عقل تیری ۔ شیعہ تو نے مجھکو نہ سمجھا
میں ہی نہیں اک سارا گھرانا ۔ تھا شیعہ مشہور زمانا

سالی سُنے گی جب یہ قصّہ — خوب ہنسینگی واہ رے دولھا
انجر پنجر ہو گئے ڈھیلے — کیسا نکھٹّو دُولھا نکلا
دُلہن نے دولھا کو مارا — ہاتھ تیری دُم میں نمدا
جب تو دولھا شرما کر — جھینپے گا واللہ جھینپے گا
ہم نے مانا مرد ہو تم بھی — لیکن تم سے کیا واں ہوگا
دُلہن سے کیا تم بھی لڑوگے — نام تمھارا لیا اس میں ہوگا
جی کب چاہیگا لڑنے کو — کون ایسا ہوگا جیالا
پاؤں پڑوگے جوڑوگے ہاتھ — دیکھنا ہوگا تم کو نیچا
مردی گرد کھلاؤگے اپنی — بَیر کا سمجھو تخم یہ بویا
اَن بَن ہوگی پھر نہ بنے گی — سب دیکھیں گے دال میں کالا
عُمر گزرنا ہے آپس میں — دونوں کو ہے اک جا نبھنا
اس کے من کو خوش رکھو تم — کام اسی سے ہے تم کو آغا
عشق میں دونوں ہوتے ہیں ایک — میاں بیوی کا مذہب کیا
لیلیٰ بنے وہ مجنوں بنو تم — آپس میں یوں میل ہے اچھا
تم یہ کہو میری پیاری جان — وہ یہ کہے پیارا دُولھا
اُلفت میں کیا سُنّی شیعہ — پریم رس میں سم ہے جھگڑا
ہرگز دل میں بیر رکھو — ایک خدا ہے تم دونوں کا

ساری براتی رخصت ہوں گے | خلوت میں کوئی بھی نہ ہوگا
دونوں راضی ہوں تو بس ہے | کرے گا کیا پھر قاضی بھڑوا
میری نصیحت کو تم مانو | ورنہ پڑے گا پھر پچھتانا
پاپڑ میں نے سب ہیں بیلے | جب کہ جوانی کا موسم تھا
سُنّی ہو شیعہ ہو یا ہندو | سب میں دیکھو میل ہے بھیا
سب ہیں راضی سب ہیں خوش دل | کثرت میں ہے لطف وحدت کا
جھگڑا ہے نہ کچھ جھمیلا | صوفی مذہب سب سے اچھا
تم کو مُبارک ہو یہ شادی | جوڑا اچھا ہے یہ پیارا
چٹ منگنی ہو پٹ شادی ہو | گھر آنگن ہو دُلہن دولھا
لال سا بیٹا ہو بعد اس کے | شادی کی دل سے ہے یہ تمنّا
شادی کی تاریخ لکھی ہے | تدخلہ میں نے کیا ہے اچھا

سُنّی شیعہ کا گٹھ بندھن
۱۰۶۲
دلیرِ دل سے سن نکلا
۲۷۸

۱۰۶۲+۲۷۸=سنہ ۱۳۴۰ھ

یہ نظم پُر مذاق لکھکر خوشنویس کو بیضہ کے لئے دی گئی۔ اور مولوی احمد حسین صاحب کی شادی فرزند کے کارڈ کا جواب لکھنے کے لئے قلم اٹھایا حسب ذیل قطعہ لکھا۔

قطعہ تاریخ شادی فرزند احمد حسین صاحب (امین جنگ بہادر) صدر المہام پیشی خداوندی

فضل رب سے اس مبارک وقت میں
ہی امین جنگ کے گھر میں خوشی

وہ خوشی اے شاد ہی ایسی خوشی
جس کے سننے سے ہوئی عیش دلی

شاد اگر کچھ بھی محبت دل میں ہی
کیوں مناتا پھر نہیں تو بھی خوشی

ہی خوشی احباب کی اپنی خوشی
صدق الفت کی ہیں یہ معنی یہی

نظم لکھکر بھیجدے تو کر نہ دیر
دوستانہ تو سمجھ تحفہ یہی

دیکھ اپنے دوست کی صورت کو تو
کس طرح چھائی ہی چہرہ پر خوشی

دیکھکر بیٹے کو دولہا والدین
شاد ایسے ہیں نہ ہوں گے یوں کبھی

باپ ادھر مصروف مہمانی ہی شاد
اور ادھر ہی ماں کے دل میں کچھ ٹھنی

چاہتی ہے جلد آجائے بہو
واں ہی بیٹی کی جدائی کی غمی

ہی خوشی میں یہ غمی عین خوشی
نا امیدی شکل ہی امید کی

ہی دلہن کو میکے کے چھٹنے کا غم
بیوی پانے کی ہی دولہا کو خوشی

کیسی اس دنیا کی یارب ریت ہی
کچھ سمجھ میں ہی نہیں آتی کبھی

دن دہاڑے لوٹتا ہے اجنبی
گھر سے لیجاتی ہی لڑکی مال بھی

کیا لٹیرا دیکھو یہ داماد ہے
کیا بہادر لوٹ میں ہی اور جری

سب براتی جمع ہو کر شاد شاد
مال لیجاتے ہیں اور دولہن بھی

باپ اور ماں دونوں باہم شاد ہیں
لوٹ کر لایا ہے بیٹا زندگی

باپ اور ماں کرتی ہیں اُس دم سکوت
جس گھڑی سُسرال کو بیٹی گئی

شاد دُنیا کا یہی دستور ہے
دیتے ہیں داماد کو بیٹی سبھی

اور قسمت کی ہے خوبی کی بہار
دیکھو قدرت اُس میں ہے اللہ کی

جس گھڑی تھا وہ جوان دولھا بنا
جس کی شادی کی رچی ہے یہ خوشی

سہرا اُس کے سر پہ باندھا شاہ نے
سر بلندی پائی اور عزت بڑھی

شہ نے سہرا باندھا جب نوشاہ کو
دوست کی میری خوشی پوری ہوئی

شاد محفل میں براتی جمع ہیں
صرف اس شادی میں ہے تیری کمی

آئے ہیں قاضی بھی باریش سفید
یا ملک اُترا فلک سے ہے کوئی

کیوں نہ عزت ان کی سب دل سے کریں
دو دلوں کو جب ملاتے ہیں یہی

شاد تو بھی قدر کر اور دل سے کہہ
تو برائے وصل کردن آمدی

کچھ نہ کرتا خیر اس میں شاد تو
بھیجدے تاریخ شادی کی ابھی

اور دعا کر دل سے یاں بیٹھے ہوئے
جو کمی ہے پوری پھر ہو جائے گی

اے خدائے خالق ہر دو جہاں
دونوں عالم کا ہے مالک ایک تو ہی

ایک تھا اور ہے رہیگا ایک تو
تیری وحدت کے مقر دیکھے سبھی

شاد کے جو دوست ابن جنگ ہیں
اے مرے مالک تو ازہر تبھی

شاد رکھ اولاد و احفاد سے	کر عطا اُن کو جو چاہے اُن کا جی
نخل ہو شادی کا یارب بارور	ہے تمنائے دلی ماں باپ کی
لال سا پوتا ہو پہلے سال میں	دادا دادی کے دلوں کو ہو خوشی
پھر مبارکباد سب احباب دیں	جبر سی شادان سے لے جلنہ جبھی
سوکھی دعوت ان سے لے گا شاد کیوں	خاص دعوت چاہیئے اس شاد کی
پنجتن کے صدقے اے میرے کریم	دوستوں کی دے مرادیں تو سبھی
جس طرح دیکھی انھوں نے یہ خوشی	دیکھے شادی شاد اپنے بیٹوں کی
شک نہیں ہے جس میں وہ بات ہے	ہے بڑی نعمت خدا اولاد بھی
شاد ماں اولاد سے ہر اک رہے	اے خدا حاصل ہو سب کو یہ خوشی
سب کے شادی سے رہیں آباد گھر	شاد دیتا ہے دعا سب کو یہی
اس دعا کے بعد تو اے شاد جلد	لکھدی اس شادی کی اک تاریخ بھی

مولوی احمد حسین اب آپ کو ہو مبارک رسم شادی بیٹے کی	۱۳۳۱ف

(۱۰ بہمن ۱۳۳۱ف ۱۲ ربیع الآخر ۱۳۴۰ھ ۱۲ دسمبر ۱۹۲۱ء سہ شنبہ)

آٹھ بجے برآمد ہو کر بہادر دل خاں صاحب سے ملا اور اُن سے باتیں کرتا ہوا جنگل کی طرف چلا گیا۔ برخوردار راجہ خواجہ پرشاد۔ خواجہ نصر اللہ۔ خواجہ اسد اللہ طول عمرہم زید قدرہم میرے ساتھ تھے۔ پہلے میں پیر غلام نبی کے مزار پر گیا جن کا

کل عُرس تھا۔ میرے فرزند راجہ خواجہ پرشاد طولِ عمرہٗ نے گیارہ روپے نذر چڑھائے حال متولّی عبدالرّزاق حسین صاحب تخلص مفتی کے رشتہ داروں میں کسی لڑکی کی تسمیہ خوانی تھی اُس کو بچّے کے ہاتھ سے پندرہ روپیہ دلوائے وہاں سے واپس ہوکر کچھ دیر واٹر کلر پینٹنگ کے شغل سے دل بہلاتا رہا۔ گیارہ بجے کیمپ میں واپس آیا اطلاع ملی کہ دو ڈبّے سکنڈ کلاس کے اور ایک ڈبّہ فرسٹ کلاس کا آنے والی ٹرین میں آرہا ہے۔ اِس اطلاع پر فیمیلی کو تیار رہنے کے لئے آگاہ کرکے کھانے سے فراغت پاکر حسبِ عادت کچھ دیر قیلولہ کیا لیٹے لیٹے ایک مصرعہ ذہن میں آگیا۔ ع

اچھے بُرے کا کس کو یہاں امتیاز ہے

معاً اوپر کا مصرعہ بھی ذہن میں آگیا:۔

کہتے ہیں جس کو عشق یہ ہے بیخودی کا نام
اچھے بُرے کا کس کو یہاں امتیاز ہے

پھر تو طبیعت کو اِس شعر کے اور اشعار کی طرف منتقل کیا گیا چند قافیے لکھ لئے جن پر اشعار تمام کئے۔

یہ حسنِ ظن ہے اپنا اُسی سے یہ ساز ہے	جو بیوفا ہے جس کی جفا دلگداز ہے
زاہد کی جو نماز رکوع و سجود ہے	ترکِ وجود جو ہے وہ اپنی نماز ہے
اے عاصیو یہ لطف و کرم ہے کریم کا	چُوکو نہ توبہ سے کہ درِ توبہ باز ہے

کہتے ہیں جس کو درد یہی خاص ہی دوا — کہدو مسیح سے یہ دواخانہ ساز ہی
ہو عمر گر دراز عدو کی نہ خوف کر — سچ ہی حرام زادے کی رسی دراز ہی
زاہد جو تیرا عشق ہے فسق و فجور ہی — میرا جو عشق ہی وہ بتِ پاکباز ہی
کیا تجھ سے میں کہوں کہ یہ ہی رازِ عشق کیا — میرا جو دل ہے دفترِ راز و نیاز ہی
کہتی ہیں جس کو عشق یہ ہی بیخودی کا نام — اچھے برے کا کس کو یہاں امتیاز ہی

اے شاد تیری ساری گناہوں کی کیا بساط
بخشے گا وہ ضرور کہ نکتہ نواز ہی

یہ لکھتے لکھتے آنکھ لگ گئی۔ تھوڑی دیر سویا تھا کہ خدمتگار نے اطلاع دی کہ سوا دو بجگئے ٹرین آیا چاہتی ہے اٹھ بیٹھا اور معہ فیمیلی اسٹیشن پر آیا ٹرین آچکی تھی سب اُس میں سوار ہوئے اُسی ٹرین میں میرے اسٹیٹ کے معتمد مرزا اکرام علی اور حکیم مرزا مہدی کاظمینی جو میرے فرزندوں کے معلم فارسی ہیں بلدہ سے آئے۔ معتمد صاحب کو میں نے اپنے ہمراہ چلنے کے لئے حکم دیا اور حکیم مرزا مہدی صاحب کو کیمپ میں بھیجدیا۔

تین بجکر چند منٹ پر ہماری گاڑی ونپرتی روڈ (مدناپور) کی طرف روانہ ہوئی۔ میری ہمراہی میں فیمیلی اور اُن کے ملازمین کے علاوہ سید صادق حسین غبار منتظم پیشی۔ بہادر دل خاں صاحب مرزا اکرام علی معتمد اسٹیٹ اور میرے فرزندوں کے اتالیق تھے۔

اسٹیشن شادنگر سے مدناپور تک حسب ذیل اسٹیشن ہیں:

شادنگر۔ بالانگر۔ رنگاریڈی[1] گوڑہ گیٹ۔ گلہ پلی۔ جڑچرلہ۔ ڈیوٹی پلی گیٹ[1]

محبوب نگر۔ کورور۔ دیورکدرا۔ کوکنٹلا۔ کرمرتی۔ مدناپور۔

شب کو ساڑھے سات بجے ہم مدناپور (ونپرتی روڈ) پہونچے۔ چوں کہ یہاں سے آگے ریل نہیں جاتی اگرچہ پٹری بچھ گئی ہے لیکن جاری نہیں ہوئی شب کو میرے ہمراہی ڈبوں ہی میں مقیم رہے۔ شب کو نو بجے بہادر دل خاں صاحب کے ذریعہ سے عبدالحفیظ خاں صاحب وکیل درجہ اوّل محبوب نگر کو تار دلایا گیا تھا کہ بارہ بجے ہندو محلات کے لئے برہمنوں سے کھانا پکوا کر تیار رکھیں۔

(۱۰ بہمن ۱۳۳۱ف ۔ ۱۳ ربیع الآخر ۱۳۴۰ھ ۔ ۱۳ دسمبر ۱۹۲۱ء چہارشنبہ)

چشم بصیرت کے لئے صبح وہ بھی جنگل کی صبح ایک عجیب لطف اندوز و دل افروز ہوتی ہے۔ آج کی صبح کا سماں دیکھ کر شاعرانہ تخیل کے ذوق سے نہیں بلکہ عارفانہ مذاق سے ہم مست ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ جنگل کی صبح کی خصوصیات اک تاثیر رکھتی ہیں جو شہروں کی صبح میں نہیں ایران کی بلبل ہزار داستان کے نغموں کا ذکر سن کر ہم اس قدر خوش نہیں ہوسکتے جس قدر ایک جنگلی چڑیا کی آواز سے متاثر ہو سکتے ہیں۔ سنبل و سوسن نسرین و نسترن کا نظارہ دل و دماغ کو اتنا تر و تازہ نہیں کر سکتا جتنا کہ جنگل کے خود رو پھولوں کا

---

[1] یکم جنوری ۱۹۲۲ء سے رنگاریڈی گیٹ اور ڈیوٹی پلی گیٹ موقوف ہو گئے ہیں۔

دلفریب نظارہ کر سکتا ہی۔

شہروں میں انسان اپنی کاریگری اور خود اپنے ہاتھ کے پیدا کئے ہوئے مناظر کے سامنے خدا کی اصلی نعمتوں اور قدرت کی اچھوتی کرشمہ سازیوں کو بھول گیا ہی۔ ہم اِس اور اس کی صبح و شام کو عرفانی نقطۂ نظر سے دیکھنا چاہتے ہیں اور شہروں کی آبادی سے اِس سنسان آبادی پر ترجیح دینے کے لئے اپنے جذبات سے کام لیتے ہیں۔

کل میں جس وقت یہاں آیا تھا شام کا وقت تھا اُس وقت کا سماں دیکھنے کے قابل تھا۔ دن بھر کے تھکے ماندے مویشی اور وہ بھی جو چرنے کے لئے سائے دن گھر سے باہر رہے تھے میدانوں اور جنگلوں کو چھوڑ چھوڑ کے گاؤں کی طرف چلے آتے ہیں اور جس طرح کوئی ذی ہوش انسان اپنا راستہ آپ ڈھونڈ لیتا ہی اِسی طرح وہ بھی تہذیب و متانت کے ساتھ آہستہ آہستہ اپنے گھروں کی طرف آتے اور بغیر کسی کی رہبری کے خود ہی اپنے اپنے گھروں میں چلے جاتے ہیں۔ گویا ہمیں تمدن کا سبق دے رہے ہیں کہ بیرونی کاموں میں کس طرح ہم جنسوں میں ملا جلا رہنا چاہیئے۔ اور خانگی زندگی شروع کرتے ہی کس طرح الگ ہو جانا چاہیئے مویشی اور آدمیوں کی سرگرمی و مستعدی دیکھ کے آزاد طیور بھی جوش میں آ کے اُن کا ساتھ دینے پر آمادہ ہو گئے گو اُن کو اُن دیہاتیوں اور دہقانیوں کے کاروبار سے کوئی تعلق نہیں مگر اُن کی

پاک و بے عیب سادہ زندگی پر فریفتہ ہو کے اُنھوں نے باوجود آزادی کے
انھیں کے ساتھ سکونت اختیار کر لی ہے انھیں کے آس پاس درختوں پر اپنا
نشیمن بنایا ہے اور سب کو کاروبار چھوڑ کے گھر آتے دیکھکر اُنھوں نے بھی
اپنی سیر و تفریح کو چھوڑ کے نشیمنوں کا راستہ لیا اور ہر چہار طرف درختوں پر
ہجوم کر کے وہ ہنگامہ مچا دیا کہ معلوم ہوتا ہے کہ گویا نیچر کے دلفریب ایوانوں
کے برجوں پر شام کی نوبت بج رہی ہے۔

آخر آفتاب اُفق سے جا ملا رخصت ہونے والی آخری کرنیں درختوں کی
پھنگیوں اور پہاڑوں کی چوٹیوں پر گئیں اور وہاں تک پہونچ کر اوپر ہی
اوپر آسمان پر پہونچ گئیں اور آسمان کے مُنہ پر شفق کا غازہ ملنے لگیں
مشرقی اُفق سے تیرگی کی ایک چادر نمایاں ہوئی اور دیکھتے ہی دیکھتے
چاروں طرف پھیل گئی۔ آسمان پر تاروں نے اپنی آنکھیں جھپکا جھپکا کر
کھولنا شروع کیں جن کا جواب صفحۂ زمین پر یوں دیا گیا کہ مکانوں میں دُھندلی
روشنی کے چراغ روشن ہوئے اور گاؤں اور جنگلوں میں دہقانوں نے الاؤ
روشن کیے۔

یہاں نہ شہروں کے سے کلب ہیں نہ سوسائٹیاں نہ بذلہ سنجی کی صحبتیں ہیں
یہاں کی کلب یہی الاؤ ہیں جن کے گرد منکسر المزاج اور سادے مذاق کے دہاتی بیٹھکے
لطفِ صحبت اُٹھاتے ہیں۔ اور آبی و تابی فصلوں اور زمین کی پیداوار کے معاملات

میں رائے زنی کرتے ہیں اور ایک دوسرے کی صحبت سے لطف اُٹھاتے اور دن بھر کی تھکن مٹاتے ہیں۔

اب یہاں کی صبح کی سینری پر نظر ڈالیے اس کا سماں کچھ اور ہی ہے ایوان مشرق سے صبح کا نور پھیلتا چلا آتا ہے جس قدر رات کی سیاہ چاندنی گھٹتی جاتی ہے اُسی قدر رُخ عالم پر نورانیت کا پوڈر پھرتا چلا آتا ہے صحرا کی صبح کے سہانے وقت میں نیچر نے کچھ اس بلا کے جذبات بھر دیئے ہیں کہ عرفانی نظر مست ہوئے بغیر نہیں رہ سکتی اس سہانے اور پُر فضا وقت کی نیچرل کیفیت یوں تو شہروں میں بھی دلکش ہے مگر سرسبز اور پُر فضا رقبہ یا کھلے ہوئے صحرائے لالہ زار میں تو عارفوں کے دل پر بجلی ہی گراتی ہے۔

بہارستان فطرت میں ہرے بھرے اور حد نظر تک کھلے ہوئے جنگل کا ایک عجیب مرتبہ ہے کیسا ہی معمولی منظر ہو لیکن اگر وہ کسی کشادہ صحرا پر منتہی ہوتا ہے تو اس میں عجیب دلفریبی پیدا ہو جاتی ہے حد نظر تک سبزہ زار مُردہ دلوں کو زندہ کرنے کا دعویدار ہے یہی صحرا ہے جس کا نظارہ انسان کو اپنی بے حقیقتی و بے بضاعتی کا دل ہی دل میں قائل کر کے کسی اور عالم میں پہونچا کر معرفت الٰہی کا سبق پڑھاتا ہے۔

آبادی کا ہر حصہ ایک خونی منظر ہے۔ سکندر کی ملک گیری۔ دارا کی جاہ پرستی یزدجرد کی ہمیت۔ جولیس سیزر کی خون آشامی۔ یزید کی شقاوت قلبی۔ چنگیز

ہلاکو کی جہانسوزی وسفّاکی سے قطع نظر کیجئے۔ ہمارے زمانے کی سلطنتوں
کے مظالم و حشر انگیزیاں یہ سب آبادی ہی میں ہوئی اور ہو رہی ہیں۔ آبادی
ہیں دُنیا بھر کے گناہ ہوتے ہیں شہری زندگی میں قلب انسانی زخموں سے
لبریز ہو جاتا ہے۔ شہری تکلّفات لوازم حیات سمجھے جاتے ہیں۔ معیار معاشرت
بلند اور بہت بلند ہوتا ہے۔ ضروریات زندگی کی گرانی۔ عیش و عشرت کی
فراوانی شہری زندگی کے اجزائے لاینفک ہیں۔ قتل و خون۔ غارت گری۔
حرص جاہ و شہرت۔ جذبہ انتقام۔ توسیع مملکت تعصّب مذہبی۔ اہلِ تدبیر کی
واماندگیاں۔ بیچارگی۔ غلامی یہاں کی زندگی کا سرمایۂ ناز ہیں۔ بخلاف
اس کے شہری زندگی پر مرنے والے جنگل میں آکر سب کچھ بھول جاتے ہیں
وحدانیت کی راہ کے بھولے بھٹکے مسافر کی پہلی منزل جنگل ہی ہے۔ شہروں کے
لہو و لعب۔ جھوٹ۔ غیبت۔ مکر و فریب۔ دغا بازی۔ عیّاری ان سب باتوں
سے جنگل مُبرّا و مُعرّا ہے۔ خضر یہیں ملتے ہیں۔ خدا کی نعمتیں یہیں نازل ہوتی ہیں
معبودِ حقیقی کی بندگی کا لطف یہیں آتا ہے دُعائیں دراجابت تک یہیں پہنچتی
ہیں۔ مرتاض خاموشی کے ساتھ ریاضتوں کا سبق یہیں لیتے ہیں۔ سرسبز و خوشنما
خودرو درخت پھول پتّے خدائے ذوالجلال کی وحدانیت اور خالقِ یکتا کی
قدرت کا پتہ دیتے ہیں۔ اطمینان قلب تسکین دل و احساس فطرت کا لطف یہیں
حاصل ہوتا ہے۔ یہاں کے قوانین و ضوابط شہری ضوابط و قوانین سے کس قدر

متغائر ہیں۔

میں اِس صحرائے دلکشا کی دلچسپیوں سے لطف حاصل کرتا ہوا پلیٹ فارم پر ٹہلنے لگا۔ بہادر دل خاں صاحب۔ غبار صاحب۔ مرزا اکرام علی صاحب معتمد اسٹیٹ سے باتیں کرتا رہا۔ اور برخوردار راجہ خواجہ پرشاد خواجہ نصر اللہ و خواجہ اسد اللہ اطال اللہ عمرہم بھی میرے ہمراہ تھے۔ دس بجے ہماری گاڑی واپس ہوئی۔ منتظم پیشی نے عمال اسٹیشن منا پور کے لئے میرے حسب ایما منظوری حاصل کر کے انعام تقسیم کیا۔ ایک بجے ہماری گاڑی محبوب نگر پہونچی۔ اسٹیشن پر راجہ جگموہن لال صاحب اوّل تعلقدار فرزند لائے مُرلیدھر (فتح نواز ونت بہادر صدر المہام صرف خاص) عبد اللہ خاں صاحب تحصیلدار اور عبد الحفیظ خاں صاحب وکیل درجۂ اوّل و نیز دیگر عمال ضلع موجود تھے اُن سے ملا۔ کھانے کا انتظام حسب دلخواہ تھا مگر رانیوں کے کھانے کے انتظام میں کسی قدر دیر تھی۔ مرہٹہ برہمن کے ہمدست ہونے میں کسی قدر دیر لگی۔ اِس تعویق کے مدنظر میں نے اپنے ڈبوں کے علیحدہ کرنے کا حکم دیا اور غبار صاحب کو حکم دیا کہ ایک آدمی کو اسی گاڑی میں شادنگر بھیجکر وہاں سے دو موٹریں منگائی جائیں۔ چنانچہ ڈبے علیحدہ کر کے سائڈنگ میں پہونچائے گئے۔ عبد الحفیظ خاں صاحب بصوابدید اوّل تعلقدار میرے فیملی کے آرام و آسایش کو ملحوظ رکھکر ڈائننگ روم سے ملا کر خیمہ اور شامیانہ نصب کیا تھا جس کے لئے وکیل صاحب اور تعلقدار صاحب مستحق

شکریہ ہیں میں نے ایک نظم وینپرتی روڈ کے اسٹیشن کے متعلق لکھی تھی جو حسب ذیل ہی:-

نظم

وینپرتی روڈ آج ہم آئے
آبادی کو جنگل پائے

اسٹیشن اور ماسٹر اُس کا
اور اسسٹنٹ پولیس کا پہرا

تار گھر کا ماسٹر ہی ایک
سانولی صورت دل کا نیک

پانچ مقدم سب سے مقدم
چند قلی رہتے ہیں باہم

بھنگی اِک اور کچھ مزدور
کوئی نزدیک اور کوئی دُور

کائنات اُس کی ہی اتنی
اور نہیں ہی واللہ کچھ بھی

کیا بسیرا ہم نے شب بھر
ریل کے ڈبوں کے اندر

شب بہ تھی شکر اُس مالک کا
چاند کو جس نے دیا بنایا

خیریت سے رات گزاری
ہُوا اُجالا گئی اندھیاری

سب کاموں سے فارغ ہو کر
پوجا رب کو دل کے اندر

بعد ازاں حاضری بھی کھائی
پان کی ایک گلوری چبائی

حقّے کے دم خوب اُڑائے
چین بہت سب باتوں سے پائے

دس بجتے ہی ہوئے روانہ
ریل چلی جیسے مستانہ

شب کو ایک غزل بھی لکھی تھی وہ یہ ہی۔

غزل

اے مہ جو تو حسین ہی صاحب جمال ہی
عاشق بھی تیرا صاحب اوج کمال ہی

آخر قصور کچھ تو ہمارا بتایئے
کس واسطے ہماری طرف سے ملال ہی

غیروں کی ساتھ آپ کی سرگوشیاں حضور
انصاف کیجئے کچھ بھی ہمارا خیال ہی

کیا وصف اُس حسین کا تحریر میں کروں
چہرہ ہی بدر اُس کا تو ابرو ہلال ہی

آئی خزاں تو باغ کی صورت بدل گئی
آوارہ عندلیب ہی گل پائمال ہی

دُنیا کے اوج موج پہ اترانہ تو کبھی
ہر اک کمال کے لئے لازم زوال ہی

ذی علم ہی رہا نہ جوانمرد ذی کمال
اب تو ہمارے ملک میں قحط الرجال ہی

آتے ہیں آج شاد نگر میں حضور آج
ہر طرح تیری واسطے یہ نیک فال ہی

ایک صورت نظر آ گئی تھی جس کو دیکھ کر ایک رُباعی عارفانہ رنگ میں لکھی۔

کم سن بھی ہے طرّار بھی خوشرو بھی
خوش قطع بھی خوش قطع بھی خوش خو بھی

مجموعۂ اوصاف ہی وہ بُت اے شادؔ
طرّہ یہ ہی اِس پر کہ وہ ہے ہر سُو بھی

ساڑھے چار بجے ہیں پلیٹ فارم پر ٹہل رہا تھا کہ مینیجر عظمت اللہ شاہ صاحب

مہتمم کوتوالی محبوب نگر آئے ہیں اُن سے ملا ابھی اُن سے باتیں کر رہا تھا کہ آغا احمد سلطان سوم تعلقدار جڑچرلہ آئے۔ یہ آغا محمد علی صاحب مددگار مال کے فرزند ہیں۔ ہونہار نوجوان ہیں اور نئی روشنی کے دلدادہ بے تکلفی اور سادگی کو آداب دربار پر ترجیح پسند۔ ان کے افسر بالا دست اوّل تعلقدار راجہ فتح نواز ونت کے فرزند ارجمند اگرچہ یہ بھی نوجوان ہیں۔ مگر مہذب افسروں کی طرح موقع ومحل کے ساتھ اداب کے پابند ہیں۔ نہایت سادگی سے بغیر بکلوس و دستار کے مجھ سے ملے آغا احمد سلطان نے خواہش کی کہ میں یہاں کے کلب میں جاؤں چنانچہ میجر عظمت اللہ شاہ صاحب مہتمم کوتوالی۔ منصور احمد صاحب تحصیلدار پکتھل منصرم سوم تعلقدار برادر خرد نواب منظور جنگ بہادر آغا احمد سلطان سوم تعلقدار اور عبدالحفیظ خاں صاحب وکیل درجہ اوّل کے ساتھ باتیں کرتا ہوا پاپیادہ کلب میں گیا۔ میرے ساتھ میرے فرزند راجہ خواجہ پرشاد خواجہ اسد اللہ خواجہ نصر اللہ اطال اللہ عمرہم اور معتمد اسٹیٹ تھے۔

اسٹیشن سے کلب تقریباً ایک میل ہی وہاں رائے جگموہن لال صاحب اوّل تعلقدار۔ کرشنا اینا کار مہتمم آبکاری۔ محمد بہائی ناظم عدالت۔ میر رضا علی صاحب تحصیلدار ناگر کرنول سید ضمیر الدین صاحب تحصیلدار پرگی۔ غلام اکبر خاں مددگار ڈاکٹر عبدالواحد خاں صاحب تحصیلدار۔ مسٹر کارب مددگار تعمیرات موجود تھے۔ سب نے جوش مسرت کے ساتھ فقیر کا خیر مقدم کیا چنانچہ فقیر نے تعلقدار

صاحب کے ساتھ بلیرڈ کا ایک گیم سنو کا کھیلا اور بیس پائنٹ سے جیتا۔ تعلقدار صاحب اچھا کھیلتے ہیں۔ اگر وہ پورے متوجہ ہوتے تو نہ ہارتے۔ مزید اخلاق کا یہ بھی ایک ثبوت تھا جس کو میں نے محسوس کیا۔ پونے سات بجے موٹر میں سوار ہو کر کیمپ کو واپس آیا۔ آج مسرت مرحومہ کی منجھلی لڑکی جو تپ محرقہ سے علیل تھی اور اس کے لئے تبدیل آب و ہوا کی غرض سے شادنگر آیا تھا۔ اس کی غسل صحت کی گلپوشی تھی ایک طائفہ کی حاضری کا حکم دیا گیا ایک بجے تک زنانہ میں رقص و سرود کی صحبت رہی۔

(۱۲ بہمن ۱۳۳۱ ف ۱۴۔ ربیع الآخر ۱۳۴۰ھ ۱۴۔ دسمبر ۱۹۲۱ء پنجشنبہ)

آج صبح کو سات بجے منتظم پیشی کے پیش کئے ہوئے کاغذات معائنہ کرکے بعض ضروری احکام جاری کئے ساڑھے آٹھ بجے پلیٹ فارم پر ٹہلتا ہوا آیا معتمد سے دیر تک باتیں کرتا رہا۔ اسی اثنا میں عبد الحفیظ خاں صاحب وکیل اور بہادر دل خاں صاحب آگئے ان سے ملا۔ سید صادق حسین غبار منتظم پیشی آئے اور بہت دیر تک شعر و شاعری کے متعلق ان سے تذکرہ ہوتا رہا۔ تذکرۃ الشعراء سے دو چار قصیدے پڑھے گئے۔ اور قدیم شعرا کی قادر الکلامی و شیوا بیانی کی داد دی گئی تقریباً دو گھنٹہ تک یہ صحبت رہی اس کے بعد میں سیلون میں گیا اول تعلقدار رائے جگموہن لال صاحب نے بچوں کے لئے مٹھائی اور میوہ بھیجا تھا جس کے شکریہ میں فی البدیہہ ایک قطعہ لکھکر ان کے پاس بھیجا۔

شکریہ در نظم

(مہربان رائے صاحب)

مٹھائی کی تھالی جو بھیجی تھی پہونچی	ادا شکریہ کیا کروں جز دعا کے
رہو باپ کے سایہ میں شاد و خرم	پھلو پھولو ہر وقت ہر آن ہر دم
نہ بھولوں گا ہرگز تمہاری عقیدت	مجھے یاد آیا کرے گی محبت
مدارات و خاطر یہ مہمان داری	رہیگی ہمیشہ مجھے یاد ساری
گزاری شب و روز راحت سے سب نے	بڑے اور چھوٹے جواں اور بچے
رہا میں بھی شاد اور کنبہ بھی شاد	خدا کے کرم سے رہو تم بھی آباد

خدا حافظ اب آپ کا اور سب کا
ملیں گے کبھی پھر خدا نے جو چاہا

چوں کہ روانگی کا وقت بھی قریب تھا ناظم پیشی نے انعامات اہالیان اسٹیشن کے لئے گزارش پیش کر کے منظوری حاصل کی۔ عبدالحفیظ خاں صاحب وکیل نے دو رباعیاں لکھکر پیش کیں جو حسب ذیل ہیں :-

رباعی

تمھیں ہر لحظہ ہر دم شاد دیکھا	ترے گھر کو مدام آباد دیکھا
نہ دیکھا صابر و شاکر کسی کو	مگر تم کو کشن پرشاد دیکھا

دیگر

اب نہیں پروا کسی بیداد کی	اب نہیں حاجت کسی فریاد کی
عیش غم کھاتی ہی اب میری بلا	میں نے صورت دیکھ لی ہی شاد کی

روانگی کے وقت عبدالقادر صاحب تعلقدار آبکاری برائے جگموہن لال صاحب اوّل تعلقدار۔ میجر عظمت اللہ شاہ صاحب مہتمم کوتوالی آغا احمد سلطان صاحب سوم تعلقدار جڑچرلہ۔ ڈاکٹر رام راؤ صاحب۔ منصور احمد صاحب تحصیلدار ملحقہ منصرم سوم تعلقدار۔ عبدالواحد صاحب تحصیلدار محبوب نگر۔ آئی اینا کا مہتمم آبکاری۔ کاؤس جی مہتمم لوکل فنڈ مسٹر کارب مہتمم تعمیرات مرزا مرتضیٰ بیگ صاحب مددگار مہتمم تعمیرات اور نیز دیگر عمال تحصیل و تعلقداری موجود تھے ایک بجکر ۲۰ منٹ پر ہماری ٹرین مارچ ہوئی اور چار بجے ہم مع الخیر والعافیت اسٹیشن شادنگر پر پہونچ گئے۔

بلدہ سے آنے والی ٹرین میں انگریزی ٹرین کے منتظم سید عبدالحسین بلگرامی اور اُن کے ساتھ میر کاظم علی صاحب شوکت بلگرامی برادر کمین حکمت جنگ بہادر (حکیم میر احمد علی صاحب) بھی میری ملاقات کے لئے بلدہ سے آئے

(۱۴۔ بہمن ۱۳۳۱ف ۱۵۔ ربیع الآخر ۱۳۴۰ھ ۱۵۔ دسمبر ۱۹۲۱ء جمعہ)

آج صبح کو میں نے شوکت صاحب سے ملاقات کی اور ایک خط نواب فخر الملک بہادر کو لکھکر دو دو چوبی خیمے اور دو سوئیس کاٹیج خیمے منگائے۔ کیمپ سے ٹہلتا ہوا

اسٹیشن کی طرف گیا وہاں سے واپس ہو کر واٹر کلر کے شغل میں مصروف ہوا گیارہ بجے وہ تصویر کھینچکر شوکت صاحب کو دی گئی۔ شوکت صاحب نے شادنگر کے متعلق دو رباعیاں لکھکر پیش کیں جو حسب ذیل ہیں:۔

رباعی

چشم عالم کا کیوں نہو صاد نگر	سرکار نے کر دیا ہے آباد نگر
کس طرح نہ مسکن مسرت ہو یہا	دلشاد رعایا ہے تو ہے شاد نگر

دیگر

کرتے نہ سرکار اس کی امداد اگر	ہوتا نہ کبھی سے یوں آزاد نگر
کہتے تھے جسے چٹان پہ سب لوگ	وہ شاد کے فیض سے بنا شاد نگر

گیارہ بجے منتظم پیشی (غبار صاحب) نے کچھ کاغذات پیش کئے منجملہ ان کے ایک گزارش تھی جس میں انھوں نے بکار سرکار بلدہ جانے کی اجازت چاہی تھی ان کو اجازت دی گئی۔ اور وہ چار بجے کی ٹرین میں معہ میر کاظم علی صاحب شوکت بلدہ کو روانہ ہوئے شام تک میں کہیں نہیں گیا۔

(۱۴۔ بہمن ۱۳۳۱ ف ۱۰۔ ربیع الآخر ۱۳۴۰ھ ۱۷۔ دسمبر ۱۹۲۱ء شنبہ)

حسب عادت ساڑھے چار بجے بیدار ہوا صبح صادق کا سماں پیش نظر ہے بہارستان فطرت میں مناظر قدرت کا تماشا دیکھ رہا ہوں تاروں کو دیکھا کہ چار پہر میں آسمان کا دورہ ختم کر کے روپوش ہوتے جاتے ہیں۔ ماہتاب بھی

مغرب کی جانب جھکا ہوا ہی۔ چہرہ فق ہوتا جاتا ہے۔ ممکنات عالم اپنے معبود حقیقی کی یاد میں مصروفیت کا اہتمام کر رہے ہیں۔ ہر چیز سے صنعت صناعِ عالم ہویدا ہیں ہی اپنے معبود حقیقی کی یاد میں مصروف ہوا۔ یہاں تک کہ آسمان کی نیلی چادر پر آفتاب کی کرنوں سے سنہری جدولیں کھینچیں اور زمین پر سنہری پوڈر چھڑک دیا۔ آٹھ بجے برآمد ہوا۔ بہادر دل خاں صاحب اور معتمد اسٹیٹ سے باتیں کر رہا اور ٹہلتا ہوا اسٹیشن کی طرف گیا۔ پنسل سے ایک سینری کا اسکیچ لیا اور واپس ہوا۔ اور شام تک کیمپ سے کہیں نہیں گیا۔

(۱۵ بہمن ۱۳۳۱ف ۱۸۔ ربیع الآخر ۱۳۴۰ھ ۱۸۔ دسمبر ۱۹۲۱ء یکشنبہ)

حوائج ضروری سے فارغ ہو کر آٹھ بجے باہر آیا۔ رعایا کے کچھ عرایض پیش ہوئے جن کے متعلق معتمد اسٹیٹ کو ضروری احکام دیئے۔ واٹر کلر کا شغل کیا۔ آج دو بجے کی ٹرین میں محمد معین الدین خان صاحب نبیرۂ محمد اکرام الدین خاں صاحب مرحوم جاگیردار و نعیم اللہ خاں ضیغم اور حامد حسین صاحب سب انسپکٹر جنگلات بلدہ سے میری ملاقات کو آئے اور خواہش کی کہ میں علی الترتیب محی الدین یار جنگ اور راجہ فتح نواز ونت بہادر کے نام سفارشی چھٹی دوں آج وہ میرے مہمان ہیں۔ چونکہ غبار صاحب بلدہ گئے ہوئے ہیں۔ اس لئے سید عبد الحسین منتظم انگریزی کو سفارشی خطوط کے مسودات پیش کرنے کا حکم دیا۔

(۱۶ بہمن ۱۳۳۱ف ۱۹۔ ربیع الآخر ۱۳۴۰ھ ۱۹۔ دسمبر ۱۹۲۱ء دوشنبہ)

منتظم انگریزی نے ذریعہ گزارش سفارشی خطوط کے مسودات پیش کیے معائنہ کے بعد خوشنویس کو مبیضہ کے لئے دیئے گئے۔ اسٹیٹ کے کاغذات معائنہ کیے۔ ضروری احکام دیئے گئے۔ اطلاع ملی کہ نواب فخر الملک بہادر کے یہاں سے چار خیمے آگئے ہیں۔ بمجرد اطلاع کے نظم میں شکریہ ادا کیا جو حسب ذیل ہے:-

شکریہ منظوم

مشفق و مہربان کرم فرمائے مخلصان فقیر نواز دام محبتہ

خیمے ہوئے وصول ہوا فخر شاد کو
طرز کرم نے اور بڑھایا وداد کو

کیا شکر ہو ادا کہ زباں لال ہے مری
ہاں بارگاہ حق میں دعا ہے مری دلی

با فخر و شادکام رہیں آپ شادکام
جب تک ہے روزگار رہیں آپ شادکام

یاور ہو بخت آپ کا گردوں بکام ہو
ہر صبح عیش سے ہو بصد لطف شام ہو

سن کر قدوم شہ کی خبر شاد جو ہوئے
یہ لطف خاص آپ کا دھن بھاگ ہیں مرے

لیکن وہ قول سعدی کا ہوگا ضرور یاد
اے مہرباں وگرنہ دلاتا ہے یاد شاد

سن لیجے صبر سے کہ خموشی بھی راز ہے
جو رازدار ہے مجھے اُس ہی پہ ناز ہے

باراں کہ در لطافت طبعش خلاف نیست
در باغ لالہ روید و در شورہ بوم خس

یہ منظوم شکریہ نواب فخر الملک بہادر کی خدمت میں روانہ کیا گیا۔ خوشنویس نے سفارشی خطوط کے مبیضے پیش کیے دستخط کرکے محمد معین الدین خاں صاحب و حامد حسین صاحب کو دیئے گئے۔ دو بجے کی ٹرین میں عنبر آر صاحب بھی بلدہ سے آگئے۔ میر لیاقت علی صاحب سیف بھی اسی ٹرین میں میری ملاقات کے لئے بلدہ سے آئے میرے مہمان ہوئے۔

اسی ٹرین میں اندر نراین صاحب۔ کوی راج صاحب۔ بشمبر ناتھ صاحب جانکی ناتھ جی صاحب۔ کنور رام کرشن صاحب۔ پنڈت جنگی ناتھ جی پروہت جو لکھنؤ سے ایک عزیز کی شادی میں بلدہ آئے ہوئے تھے بلدہ سے میری ملاقات کے لئے یہاں آئے میں نے ان سے ملاقات کی اور تقریباً دو گھنٹہ تک ان سے باتیں کرتا رہا۔ سیف صاحب کے ذریعہ سے نواب بہادر جنگ بہادر نے ایک تحفہ جامولن ایک خط کے ساتھ بھیجا تھا۔

مہمانوں کی برخاست کے بعد نظم میں میں نے اس کا شکریہ ادا کیا۔ جو حسب ذیل ہے:۔

شکریہ منظوم

میرے محب کا خط اور تحفہ	سیف کے ہاتھوں مجھکو پہونچا
بھول کے تم نے یاد کیا ہے	ہے یہ نرالا ڈھنگ وفا کا

بعد مدت تم نے کیا یاد — کیجے قبول اب شکریہ میرا
جامولین کا تحفہ نادر — سیف کے ہاتھوں سے یاں پہونچا
ذائقہ اِس میں محبت کا ہے — جھوٹ نہیں کچھ اِس میں اصلا
آکر گاہے شاد تو کیجے — ممنوں ہوگا دل سے بندا
اِکدن بھی نہیں آپ آتے یاں — فرماؤ تو اُس کا سبب کیا
تم ہو امیر اِس میں تو نہیں شک — شاد مگر ہے فقیر خواجہ
دل کو جوانی کا ہے دعویٰ — عمر کا گرچہ میں ہوں بوڑھا
اِس میں نہیں دنیا کی چاہت — اِک صوفی کا دل ہے اپنا

اوج پہ دائم دونوں رہیں گے
تیری جوانی میرا بڑھاپا

(۱۷- بہمن ۱۳۳۱ف ۲۰- ربیع الآخر ۱۳۴۰ھ ۲۰- دسمبر ۱۹۲۱ء سہ شنبہ)

حسب معمول صبح کو نکل کر کیمپ کے سامنے ٹہل رہا تھا کہ غبار صاحب آئے کچھ دیر ان سے باتیں کرتا رہا۔ اتنے میں سیف صاحب بھی آگئے اُن سے ملا۔ ایک کولی کچھ تیتر لے کر آیا اور پیش کئے۔ میرے فرزند راجہ خواجہ پرشاد طولعمرہٗ نے اُس کو اپنے ہاتھ سے انعام دیا۔ کل کا منظوم خط بہادر جنگ بہادر کے نام کا سیف صاحب کو دیا اور ٹہلتا ہوا اسٹیشن کی طرف گیا۔ مگر جلد واپس آگیا۔ ضروری کاغذات کیمپ اور اسٹیٹ کے معائنہ کرکے بعض احکام جاری کئے میرے قومی

مہمانوں نے چوں کہ اعظم علی خاں مرحوم کے باغ میں قیام کیا تھا بہادر دل خاں صاحب کے ساتھ موٹر میں وہ بھی آ گئے دیر تک اُن سے باتیں کرتا رہا۔ بارہ بجے کھانا کھا کر قیلولہ کیا۔ چار بجے باہر آیا۔ دو بجے کی ٹرین میں بلدہ سے رحیم الدین خاں صاحب عرف نواب جانی میری ملاقات کے لئے آئے میرے مہمان ہیں۔ میرے قومی مہمان اس وقت کی ٹرین میں بلدہ کو واپس جانے والے ہیں اُن کے ساتھ ٹہلتا ہوا میں بھی اسٹیشن کی طرف گیا اور سب مہمانوں کو خدا حافظ کہکر واپس آیا۔ اور موٹر میں سوار ہوکر ہوا خواری کو گیا میرے ساتھ میرے فرزند راجہ خواجہ پرشاد۔ خواجہ نصر اللہ۔ خواجہ اسد اللہ سلمہم اور بہادر دل خاں صاحب تھے۔ تین چار میل تک جاکر واپس آیا اور اپنے خیمہ میں جاکر کاغذات کے معائنہ اور تصنیف و تالیف میں مشغول ہو گیا۔

۱۸۔ بہمن ۱۳۳۱ف ۲۱۔ ربیع الآخر ۱۳۴۰ھ ۲۱۔ دسمبر ۱۹۲۱ء چہار شنبہ

شب کو غبار صاحب نے لکھنؤ سے آیا ہوا کتاب سنت سنجوگ کا پارسل پیش کیا۔ اُس کو کھول کر بہت دیر تک اِس بے نظیر کتاب کا مطالعہ کرتا رہا۔ یہ کتاب طریق فقرا اور سنت مت کے اعلیٰ اصول اور زبردست سدھانت پر مطول بحث کے سلسلہ میں وسعت نظر سے مطالعہ کر لینے کے بعد تمام مذہبی اور فلسفیانہ مسائل کی نہ صرف وضاحت ہو جاتی ہے بلکہ توہمات اور غلط

خیالات سے انسان کو نجات مل جاتی ہے۔ میں اِس کتاب کے متعلق اپنے خیالات کا آئندہ کسی تاریخ میں اظہار کروں گا۔

صبح کے ساڑھے آٹھ بجے باہر آیا۔ نواب جانی صاحب سے ملا۔ اُن کے جانے کے بعد غبار صاحب اور حکیم مرزا مہدی کاظمینی جو راجہ خواجہ پرشاد طولعمرہٗ کے معلّم فارسی ہیں آ گئے کچھ دیر ان سے باتیں کرتا رہا۔ حکیم مرزا مہدی کاظمینی نے یکے بعد دیگرے دو نظمیں سنائیں جو مجھے بہت پسند آئیں۔ ضیافت طبع ناظرین کے لئے اُن دونوں نظموں کو درج کرتا ہوں۔

اِیں ہمہ از پے آن است کہ زر میخواہد

شہ کہ ایں کوکبہ و ایں کر و فر میخواہد	تاج و تخت و علم و تیغ و کمر میخواہد
لشکر و کشور و اقبال و ظفر میخواہد	اِیں ہمہ از پئے آن است کہ زر میخواہد

(۲)

آں وزیرے کہ بصد عاقل و دانا باشد	کار او با ہمہ کس رفق و مدارا باشد
مخلص شاہ و ہواخواہ رعایا باشد	اِیں ہمہ از پئے آن است کہ زر میخواہد

(۳)

مرد غازی کہ سوئے معرکہ چوں تیر رود	گاہ مردی و شجاعت ز پئے شیر رود
بے محابا ہمہ تن بر دم شمشیر رود	اِیں ہمہ از پئے آن است کہ زر میخواہد

(۴)

صوفی صافی کہ در بادیہ مسکن دارد	در بغل مصحف و زنّار بگردن دارد

صلح کل باہمگی شیخ و برہمن دارد   ایں ہمہ از پئے آن است کہ زر میخواہد

(۵)

تا جرے گو بفشارد جگر و نداں را   از خسیسے ہمہ بر شیشہ بمالد ناں را
وقت سودا بفروشد گہر ایماں را   ایں ہمہ از پئے آن است کہ زر میخواہد

(۶)

واعظے گو ہمہ در فکر فروع است و اصول   گاہ اندیشۂ منقول کند گہ معقول
مردماں را ہمہ خواند بخدا و برسولؐ   ایں ہمہ از پئے آن است کہ زر میخواہد

(۷)

کیمیا گر کہ بصد رنج برد در عالم   سازد از سینہ و دل ہر نفسے کورہ دم
خویشتن را بگداز د ز تف آتش و غم   ایں ہمہ از پئے آن است کہ زر میخواہد

(۸)

نازنینے کہ بود نادرۂ حسن و جمال   خوں نماید دل عشاق بامید وصال
گہہ کند ناز و تغافل زرہ غنج و دلال   ایں ہمہ از پئے آن است کہ زر میخواہد

(۹)

آں حکیمے کہ تراکیب و معاجیں سازد   بعبارات حکیمانہ سخن پردازد
ہر دم صبح بقارورہ نظر اندازد   ایں ہمہ از پئے آن است کہ زر میخواہد

(۱۰)

خوشنویسے کہ شب و روز کند مشق جنوں   گردنش دال و سرش واو قدش باشد نون

دیدہ اش صاد و لبش میم و دلش باشد خون	این ہمہ از پئے آن است کہ زر میخواہد

(۱۱)

شاعرے کو ہمہ در مدح و ثنا میگوید	روز و شب نیک و بد شاہ و گدا میگوید
گاہ اگر مدح کند گاہ ہجا میگوید	این ہمہ از پئے آن است کہ زر میخواہد

(۱۲)

آن مؤذن کہ سحر گہ ز خدا یاد کند	خفتگان را بہ رہ بندگی ارشاد کند
ہیچ دانی ز چہ این نالہ و فریاد کند	این ہمہ از پئے آن است کہ زر میخواہد

(۱۳)

آن قلندر کہ زند پائے سلامت بر سنگ	شہر در شہر کند سیر چو دریوزہ و ننگ
شعرہا را غلط از بر کند آن مرد بہ ننگ	این ہمہ از پئے آن است کہ زر میخواہد

(۱۴)

عاصم این خفت و خواری و غم و درد و محن	در غریبی کشد و یاد دیار و وطن
ہر زمان تازہ کند طرح دگر گونہ سخن	این ہمہ از پئے آن است کہ زر میخواہد

دوسری نظم جو ایک اخلاقی نظم موعظۃ کے رنگ میں ڈوبی ہوئی ہی وہ عارف کامل سعدی شیرازی علیہ الرحمۃ کی تصنیفات سے ہی وہ بھی ضیافت طبع ناظرین کے لئے درج کی جاتی ہی۔

نظم

گناه کردن پنهان به از عبادت فاش
اگر خدائے پرستی ہوا پرست مباش

بچشم عجب و تکبر نگه بخلق مکن
که دوستان خدا ممکن اند در اوباش

بدین زمین که تو بینی ملوک طبع انند
که ملک روئے زمین پیش شان نیرزد لاش

بچشم کوته اغیار دائمی گنجد
مثال چشمهٔ خورشید و دیدهٔ خفاش

کرم کنند و ندارند بر کسے منت
قفا خورند و نجویند با کسے پرخاش

ز دیگران لیمان جو دود بگریزند
نه دست کفچه کنند از برائے کاسهٔ آش

دل از محبت دنیا و آخرت خالی
که ذکر دوست توان کرد با حجاب قماش

به نیک مردمی در حضرت خدائے قبول
میان خلق برندی و لاابالی فاش

قدم زنند بزرگان دین و دم نزنند
که از میانه تهی بانگ میکند خشخاش

کمال حفظ خردمند نیک بخت آنست
که سر گران نکند بر قلندر و قلاش

مقام صالح و فاجر هنوز پیدا نیست
نظر بحسن معاد است نے بحسن معاش

اگر ز مغز حقیقت بپوست خرسندی
تو نیز جامهٔ ازرق بپوش و سر بتراش

مراد اهل طریقت لباس ظاهر نیست
کمر بخدمت سلطان ببند و صوفی باش

وز انچه فیض خداوند بر تو می پاشد
تو نیز در قدم دوستان حق می پاش

چو دور دور تو باشد مراد خلق بده
چو دست دست تو باشد درون کس مخراش

نہ صورتیست ز حرفِ عبارتِ سعدیؔ		چناں کہ بر درِ گرمابہ میکند نقاش
	کہ برقعے است مرصع بہ لعل و مروارید فرو گذاشتہ بر روئے شاہدِ خماش	

ساڑھے نو بجے موٹر میں سوار ہو کر مچھلی کے شکار کو گیا میرے ساتھ میرے فرزند راجہ خواجہ پرشاد۔ خواجہ نصر اللہ۔ خواجہ اسد اللہ سلمہم اللہ تعالےٰ اور بہادر دل خاں صاحب تھے۔ دوسری موٹر میں بچوں کے اتالیق تھے ٹھیک بارہ بجے واپس ہوا۔

دو بجے کی ٹرین میں ڈاکٹر محمد حسین (فیملی ڈاکٹر) بلدہ سے آئے۔ چار بجے میجر عظمت اللہ شاہ صاحب آئے ہیں اُن سے ملا کہیں گیا نہیں۔ غبار صاحب اور منتظم انگریزی اور معتمد اسٹیٹ کے پیش کئے ہوئے کاغذات کا معائنہ کرتا رہا۔

(۱۹۔ بہمن ۱۳۳۱ف ۲۲۔ ربیع الآخر ۱۳۴۰ھ ۲۲۔ دسمبر ۱۹۲۱ء پنجشنبہ)

میں آج صبح کے ۹ بجے باہر آیا بہادر دل خاں صاحب اور غبار صاحب سے ملا اور اُن کے ساتھ باتیں کرتا ہوا اسٹیشن میں گیا۔ برخوردار راجہ خواجہ پرشاد خواجہ نصر اللہ۔ خواجہ اسد اللہ سلمہم اللہ تعالیٰ میرے ساتھ تھے۔

میں آج چار بجے کی ٹرین میں اس لئے بلدہ جانے والا ہوں کہ انگریزی ڈنر میں شریک ہونا ہی۔ فرسٹ کلاس کا ایک ڈبہ منگایا ہی جس کو دیکھنے

کے لئے میں اسٹیشن پر گیا۔ ڈبہ میں بیٹھا غبار صاحب سے باتیں کر رہا تھا کہ میجر عظمت اللہ شاہ۔ سید مسلم علی فرزند سید علی بلگرامی مرحوم اور عبدالعزیز خاں مددگار صفائی آئے اُن سے اسی ڈبہ میں ملا اور دیر تک اِدھر اُدھر کی باتیں کرتا رہا۔ وہاں سے دس بجے واپس ہو کر غبار صاحب کو حکم دیا کہ دو موٹریں بلدہ کو روانہ کر دی جائیں۔ گیارہ بجے موٹریں بلدہ کو روانہ کر دی گئیں۔ اور میں چار بجے کی ٹرین میں معہ برخورداران سلمہم اللہ تعالےٰ اور ضروری خدمتیوں اور بہادر دل خاں صاحب کے بلدہ کو روانہ ہوا۔ اسٹیشن پر معتمد اسٹیٹ اور غبار صاحب حاضر تھے ٹرین فرّاٹے بھرتی زمین کے طناب کھینچتی نئے نئے مناظر قدرت دکھاتی حیدرآباد کی طرف روانہ ہوئی۔

کھلے میدانوں کی سرسبزی اور تازگی بدن میں تازہ رُوح پھونکنے کا وعدہ کر رہی ہے۔ وہ لہلہاتے کھیتوں کا نظارہ دل کو سرور آنکھوں میں طراوت پیدا کر رہے تھے۔ شام کا وقت ہو چلا ہے آفتاب دن بھر کی مسافت تیزی کے ساتھ طے کر کے اپنی ہلکی ہلکی سنہری مگر کسی قدر ماند کرنوں سے نازک نازک پودوں کی ہرے ہرے پتّوں پر طلاکاری کر رہا تھا۔

معلوم ہوتا تھا کہ سطح صحرا پر طلائی پوڈر سے میناکاری کی گئی ہے ہرے بھرے کھیتوں کے پودے ہوا کی مستانہ روی سے خوش ہو ہو کر

چھوٹنے لگتے ہیں نیم سبز جھاڑیوں میں رنگ برنگ کے خودرو پھولوں کی بہار سے ایک دلفریبی پیدا ہوگئی ہے زرد زرد ٹڑوڑا اور سرخ سرخ کاسنی کے پھول سبز سبز پتّوں میں قدرت کی گلکاریاں دکھا رہے تھے جہاں کہیں تالاب یا پانی کی جھیل ہے وہاں آبی جانور کس آزادی واطمینان کے ساتھ خوش فعلیاں کر رہے ہیں۔ چھوٹے چھوٹے خوبصورت اور خوش آواز پرندوں بھر اس کھلے میدان میں چہچہا کر اپنے اپنے آشیانوں کی طرف جا رہے تھے۔ وقت کے خوشنما منظر نے ان کے ننھے دلوں پر بھی اثر ڈالا تھا اور وہ افراط مسرّت سے زمزمہ سرائی کر کے اُس خدائے یگانہ کی حمد وثناء کا گیت گا رہے تھے جس کی صنّاعیوں کا یہ دشت ایک کرشمہ ہے قدرت کی صنّاعیاں نظر کو اپنی طرف کھینچنے میں مقناطیسی قوّت سے کام لے رہی تھیں۔ یہ فقیر مناظر قدرت کا تماشا دیکھتا اور کرشمہ کاری قدرت سے دلچسپی حاصل کرتا۔ چھ بجے اسٹیشن فلک نما پر پہونچا جہاں شاد نگر سے آئی ہوئی موٹریں میرا انتظار کر رہی تھیں۔ فرخند حسین خاں صاحب (نواب تاڑبن) فقیر کے آنے کی خبر سُن کر آئے ہوئے تھے میں اُن سے مل کر معہ فرزندان اطال اللہ عمرہم و بہادر دل خاں صاحب سوار ہو کر اپنے ایوان پیشکاری میں آیا اور آٹھ بجے درباری لباس پہن کر ڈنر میں شریک ہوا۔ ڈنر میں اُمرا وعہدہ داروں میں قابل ذکر حضرات موجود تھے۔ نواب سر فریدون الملک

بہادر۔ نواب فخر الملک بہادر۔ نواب ولایت جنگ بہادر۔ نواب سالار جنگ بہادر۔ نواب لطافت جنگ بہادر۔ نواب خانخاناں بہادر۔ کرنل افسر الملک بہادر۔ خان بہادر نواب میر اسد علی خاں۔ نواب امین جنگ بہادر۔ نواب نظامت جنگ بہادر۔ راجہ فتح نواز ونت بہادر۔ مسٹر حیدری صدر المہام فنانس میجر عثمان یار الدولہ بہادر۔ نواب اظہر جنگ وغیرہ۔ گیارہ بجے واپس ہوا۔

(۲۰۔ بہمن ۱۳۳۱ف ۲۳۔ ربیع الآخر ۱۳۴۰ھ ۲۳۔ دسمبر ۱۹۲۱ء جمعہ)

حسب معمول اوّل صبح کو بیدار ہوکر حوائج ضروری سے فارغ ہوا۔ ڈیوڑھی کے متعلق لچھمن راؤ جمعدار کو ضروری ہدایتیں دے کر اور جو ضروری کام کرنے کے تھے کئے اور شادنگر واپس جانے کے لئے تیاری میں مصروف ہوا۔ گیارہ بجے ایوان پیشکاری سے معہ بچوں کے موٹر میں سوار ہوکر اسٹیشن پر آیا۔ اسٹیشن فلک نما سے بارہ بجکر بیس منٹ پر ہماری گاڑی شادنگر کی طرف روانہ ہوئی۔ آج یہ گاڑی ۴۵ منٹ لیٹ ہے۔ یہی سبب تھا کہ بجائے ۲۷ منٹ کے دو بجکر ۵۰ منٹ پر ہم شادنگر کے اسٹیشن پر پہونچے۔ اسٹیشن پر معتمد جاگیرات۔ سید صادق حسین غبار۔ سید عبد الحسین منتظم انگریزی۔ عبد الرحیم تحصیلدار تعلقہ فرخ نگر موجود تھے میں اپنے سیلون سے اُتر کر معہ بچوں کے اپنے کیمپ میں آیا۔ پانچ بجے برآمد ہوکر بہادر دل خاں صاحب کے ساتھ ٹہلتا ہوا اسٹیشن کی طرف گیا۔ کچھ دیر وہاں ٹھیرا رہا۔

غبار صاحب منتظم پیشی بھی وہیں آگئے دیر تک اِدھر اُدھر کے اذکار ہوتے رہے وہاں سے واپس اور موٹر میں سوار ہو کر بچوں کو لے کر ہوا خوری کو گیا آج کی ٹرین میں چمن علی شاہ صاحب۔ عمر جان صاحب نقشبندی بلدہ سے اور میر حیدر علی (میرے خالہ زاد بھائی) اپنی جاگیر سے میری ملاقات کو آئے۔ شب کو دس بجے میری دختر مظفر النسا بیگم طال عمرہا (مسرت محل مرحومہ کی منجھلی لڑکی) کی طبیعت اختناق الرحم کے باعث دفعتاً خراب ہو گئی۔ کبھی پہلے یہ عارضہ نہ ہوا تھا۔ عبدالرحمن مددگار ڈاکٹر نے ہر ممکن تدبیر کی مگر کچھ افاقہ نہ ہوا۔ گیارہ بجے موٹر بھیجنے اور ڈاکٹر محمد حسین کو فوراً لانے کا حکم دیا مگر الحمدللہ اُن کے آنے سے پہلے لڑکی کا مزاج سنبھل گیا۔ ڈاکٹر محمد حسین بھی چار بجے یہاں آگئے۔ اضطرار و پریشانی کی حالت میں دعائیہ تین نظمیں لکھی تھیں۔ جو ہدیۂ ناظرین ہیں

رُباعی

ہر درد کا درماں تو ہی ہے یا رب	ہر جاں کا نگہبان تو ہی ہے یا رب
جنگل میں کروں کس سے بیاں غم کی فریاد	سب بندوں کا سلطان تو ہی ہے یا رب

قطعہ

اختناق الرحم سے بیمار ہے لڑکی مری	اے خدا جنگل میں یہ کیا ہو گئی آفت بپا
شاؔد عاجز ہے یہاں ہے یہ مقامِ بیکسی	دے عنایت سے اسے اے قادرِ مطلق شفا

رُباعی

بیمار کا الحمد اتھا احوال سقیم	جنگل میں بجز تیرے نہ تھا کوئی حکیم
جیسا کہ ترے کرم نے محفوظ رکھا	ویسا ہی ترا فضل رہے اِس پہ کریم

(۲۱- بہمن ۱۳۳۱ف ۲۴- ربیع الآخر ۱۳۴۰ھ ۲۴- دسمبر ۱۹۲۱ء شنبہ)

صبح کو حوائج ضروری سے فراغت حاصل کرکے ۹ بجے باہر آیا۔ غبار صاحب اور حکیم مرزا مہدی کاظمینی آئے اُن سے مل کر ۹ بجے موٹر میں سوار ہوکر شکار کو گیا۔ گیارہ بجے واپس ہوکر بارہ بجے کھانا کھایا۔ اور حسب عادت قیلولہ کیا۔ چار بجے ٹہلتا ہوا اسٹیشن پر گیا۔ معتمد اسٹیٹ۔ غبار صاحب اور بہادر دل خاں میرے ہمراہ تھے۔ بلدہ کو جانے والی ٹرین بھی اُسی وقت آئی ڈاکٹر محمد حسین بھی ٹرین میں بلدہ کو روانہ ہوگئے۔ تھوڑی دیر وہاں ٹھہر کر کیمپ میں آیا یہاں کچھ بازی گر آئے ہوئے تھے جن میں تین عورتیں اور چار پانچ مرد تھے۔

عورتوں نے قلابازیوں سے اپنی بازی کی ابتدا کی قلابازی میں اُن کی ورزش مشاقی اور پریکٹس کا پورا ثبوت تھا۔

تمام دُنیا کے حکیم اور ڈاکٹر اس بارہ میں متفق اللفظ والمعنی ہیں کہ تندرستی قایم رکھنے اور جسم کو چست وچالاک بنانے کے لئے ورزش خواہ وہ کسی قسم کی ہو نہایت ہی ضروری اور بکارآمد چیز ہی ورزش سے پھیپھڑے زیادہ ہوا بھرنے کی وجہ سے کشادہ ہوجاتے ہیں جس کی وجہ سے دل کو زیادہ زور اور زیادہ

تیزی سے کام کرنا ہوتا ہے۔ اور اعضاء مضبوط ہو جاتے ہیں اِن بازی گر عورتوں کی بعض ورزش حیرت انگیز اور اُن کی مشاقی اور چستی وچالاکی قوی دلیل تھی۔ اِن میں ایک عورت جس کی عمر تقریباً ۲۵ برس کی ہو گی وہ اپنے فن میں نہایت پُھرتیلی اور چُست تھی جس وقت وہ اپنے پاؤں پر کھڑی ہو کر پیچھے کی طرف اپنے سر کو جھکاتی تھی تو اُس کا سر زمین سے لگ کر ایڑیوں سے لگ جاتا تھا۔ اِسی طرح ایک مرد کے سر پر سر رکھکر بغیر کسی مدد و گرفت کے پاؤں آسماں کی طرف کر کے سیدھی کھڑی ہو جاتی تھی جس سے مرد کے پاؤں زمین پر اور عورت کے پاؤں آسمان کی طرف ہوتے تھے۔ اور مرد کو چلنے کا اشارہ کرتی تھی۔ یا ایک ڈگڈگی کی طرح ایک لکڑی کو مرد کے سر پر رکھکر اُس پر بے تکلّف اور بے تکان کھڑی ہو جاتی تھی۔ مرد تیز قدمی سے چلتا تھا مگر اُس کو حرکت نہ ہوتی تھی۔ بہت دیر تک میں اُن کا تماشا دیکھتا رہا۔ کیمرہ منگا کر اُن کے بعض کھیلوں کا فوٹو بھی لیا۔ چوں کہ وہ میری ہوا خوری کا وقت تھا اِس لئے اُن کو ٹھیرے رہنے کا حکم دے کر میں بچوں کے ساتھ موٹر پر سوار ہو کر ہوا خوری کو گیا۔ بہادر دل خاں میرے ساتھ تھے۔ ہوا خوری سے تھوڑی دیر کے بعد واپس آکر بازی گروں کو انعام دے کر رخصت کیا۔ تین قطعے اُن کی تعریف میں لکھے جو حسب ذیل ہیں:۔

قطعہ

بازی گرنی نے بازی دکھائی
بیٹھے بٹھائے مُنہ کی کھائی
سانولا مکھڑا من کو بھایا
نظروں نے دل میں برچھی لگائی

دیگر

واہ کیا کہنے ہیں او سانولی بازی گرنی
تو قلا بازی میں مشّاق ہے سب سے اچھّی
وضع بھی پیاری ہے اور شکل بھی تیری پیاری
دیکھکر غیر ہوئی جاتی ہے حالت دل کی

دیگر فارسی

بازی گری تو بازیِ دلہا ہمیکنی
ہر سو مگر تو صورت زیبا ہمیکنی
دل باختم بہ بازیِ عشق تو اے صنم
دل را گرفتہ شاد و راشید اہمیکنی

(۲۲ - بہمن ۱۳۳۱ ف ۲۵ - ربیع الآخر ۱۳۴۰ھ ۲۵ - دسمبر ۱۹۲۱ء یکشنبہ)

ختم سال کا زمانہ ہے کرسمس کے کارڈ اپنے انگلش دوستوں کو لندن - پیرس - سکندرآباد - حیدرآباد - کلکتہ - بمبئی وغیرہ بھیجنے کے لئے منتظم انگریزی کو حکم دیا - نو بجے میں ٹہلتا ہوا تفریحاً جنگل کی طرف چلا مگر جلد واپس آگیا - چمن علی شاہ - عمر جان صاحب نقشبندی اور میر حیدر علی جو کل سے میرے مہمان ہیں اُن سے ملا - بارہ بجے برخاست کرکے کھانے سے فراغت پاکر غبار صاحب اور معتمد اسٹیٹ کے پیش کئے ہوئے کاغذات معائنہ کرتا

رہا حسب عادت سو گیا ساڑھے تین بجے بیدار ہو کر منہ ہاتھ دھو کر آئل پینٹنگ کا شغل کرتا رہا چار بجے کی ٹرین میں سید عبد الحسین منتظم انگریزی بلدہ کو روانہ ہوئے۔

بہادر دل خاں اور غبار صاحب سے بہت دیر تک باتیں کرتا رہا۔ دو بجے برخاست کر کے آفس روم میں جا کر غبار صاحب کے پیش کئے ہوئے کاغذات کا معائنہ کرتا رہا۔ اسٹیٹ کے کاغذات دیکھے۔ ان کاغذات کے معائنہ کے بعد سنت سنجوگ کا مطالعہ کیا۔ اگرچہ یہ کتاب اور اس کتاب کے پُر اسرار مطالب مجھ ایسے کم علم اور محدود النظر شخص کے اظہار جذبات و خیالات سے بدرجۂ اولیٰ بالا ہیں۔ یہ مہرشی شیو برت لال صاحب ہی کا دل و دماغ ہے کہ اُس کو تصنیف کر کے اس پر تبصرہ بھی لکھیں۔ لیکن چوں کہ یہ تصوّف کی ایک کتاب ہے اور میں تصوّف کا دلدادہ ہوں اس لئے اپنے جذبات کے اظہار میں پیادہ ہو کر بھی مصنّف کی تائید سے شہسواروں کے ساتھ دوڑنے کو آمادہ ہوں۔

سنت سنجوگ

سنت سنجوگ ایک کتاب کا نام ہی جس کے مطالعہ سے سنت سماگم یعنی صحبت فقرا کی تعلیم عمل کے ساتھ علمی فلسفہ کی بھی وضاحت ہوجاتی ہی اس کتاب میں اس قسم کی نئی نئی معلومات کا اندراج ہوا ہی جن کا علم ہوجانے سے ناظرین نہ صرف اپنی واقفیت میں اضافہ پائیں گے بلکہ جو بات ہوگی وہ نشانہ کا تیر بن کر خاطر نشین ہوجائے گی۔

طریق فقرا اور سنت مت کے اعلیٰ اصول اور زبردست سدھانت پر مطول بحث کے سلسلے میں وسعت نظر کے ساتھ تمام مذہبی اور فلسفیانہ مسائل کی نہ صرف وضاحت ہوجاتی ہی بلکہ توہمات اور غلط خیالات سے نجات مل جاتی ہی۔

اس کتاب میں برہما۔ وشنو اور شیو کے حالات پر روشنی ڈالی گئی ہی اور وشنو بھگوان کی بے چینی اور شیو مہاراج کی ہدایت کے عنوان سے کتاب کو شروع کیا ہی۔

برہما اس ترلوکی یعنی تثلیثی عالم کے پیدا کرنے والے ہیں۔ وشنو کے متعلق اس کی سنبھال کا کام ہی۔ اور شیو اس کا سنگھار کرتے ہیں۔

ان تین حالتوں کی مصنف نے تفسیر یہ کی ہی کہ یہ دنیا جس میں ہم آباد ہیں

انھیں تینوں مختلف حالتوں کی مجموعی صورت ہونے کی وجہ سے ترلوکی
یعنی مثلث کہلاتی ہی یہی تینوں حالتیں اس میں ہر وقت ہوا کرتی ہیں
یعنی سانس آتی ہی۔ سانس ٹھہرتی ہے اور سانس خارج ہوتی ہی۔ میل
جمتا ہی جم کر کچھ دیر قایم رہتا ہی۔ اور پھر دھو دیا جاتا ہی۔ تعمیر ہوتی ہی
عمارت کچھ مدت کے لئے ٹھہرتی ہی اور پھر اُس کے ساز و سامان اپنے
اپنے ذخیرہ میں منتقل ہو کر نظر سے اوجھل ہو جاتے ہیں۔ کوئی مخلوق اور کوئی
شخصیت ایسی نہیں جو ان تین باتوں سے خالی ہو۔ ترلوکی کا خاصہ ہی ایسا
ہی۔ انھیں تینوں اوصاف کی مجسّم صورتیں برھما۔ وشنو اور شیو ہیں جو ترلوکی
میں محیط رہ کر اپنے اپنے فرایض کو ہر وقت انجام دیتے رہتے ہیں۔

وشنو کے دل میں اپنے کام کے متعلق متضاد خیالات پیدا ہوتے ہیں
وہ سوچے کہ اپنے کام میں بد دلی کی وجہ سے کہیں کوئی غلطی نہ کر بیٹھیں۔ شیوجی
کے پاس آکر شکایت کرتے ہیں کہ برھما تو ایک شی کو پیدا کر کے الگ ہو جاتے
ہیں اور مجھے دایہ بن کر اُس کی پرورش اور پرداخت کرنی پڑتی ہی اور تمام وقت
اُسی پر نظر رکھنے میں صرف کرنا ہوتا ہی۔ اور آپ وقتاً فوقتاً توڑ پھوڑ کرتے رہتے
ہیں۔ اور میرے بنے بنائے کام کو آناً فاناً خراب کر دیتے ہیں۔ برھما کمہار کی
طرح ان تمام جانداروں کو کچّے گھڑے کی طرح گھڑ گھڑ اکر الگ رکھتے جاتے ہیں۔
اور مجھے آگ دے دے کر انھیں پکانا اور پختہ کرنا پڑتا ہی اور نئی نئی ترکیبوں سے

انھیں سنوارنا۔ سنگھارنا اور دیکھنا بھالنا پڑتا ہے۔ مگر آپ ہیں کہ جب میں نے سنوارا سنگھارا آپ نے اپنا ترسول اُٹھا لیا۔ اور لمحہ بھر میں انھیں خاک میں ملا دیا۔ اِدھر توڑا اُدھر پھوڑا۔ اِدھر خرابی مچائی اُدھر بربادی پھیلائی یہ حالت مجھے پسند نہیں میں سخت عذاب میں پڑا ہوں اور چاہتا ہوں کہ اس سے آزاد ہو جاؤں آپ کے پاس آیا ہوں کہ آپ اس کی تدبیر بتایئے اور میرے دُکھ درد کی دَوا کیجئے۔

شیو بھگوان مسکرا کر فرماتے ہیں کہ در پردہ مجھے ملامت کے تیروں کا نشانہ بناتے ہو شکایت بھی میری مجھ سے ہی کرتے ہو مجھے بُرا بھی سمجھتے ہو اور مجھ سے ہی تدبیر پوچھتے ہو۔ آپ نے اپنے سوال میں دو باتوں کا اظہار کیا پالنے پوسنے کے کاموں سے آزاد ہو جاؤں دوسرے دُکھ دَرد کے دُور ہونے کی تدبیر بتاؤں۔

وشنو۔ میرا دل سخت بیچین ہے بے چینی اور بے قراری کی حالت میں انسان اپنے خیالات واضح پیرایہ میں نہ ادا کر سکتا ہے نہ اُن کو خوبصورت اور صاف الفاظ دے سکتا ہے۔

شیو جی۔ انسان بیشک اضطراب و انتشار میں گھبرا جاتا ہے۔ لیکن آپ تو دیوتا ہیں انسان اور دیوتا میں فرق ہوتا ہے آپ کی بے چینی کا راز مجھ پر ظاہر ہوا کہ آپ اس پریشانی کا کیوں شکار ہوئے۔

وشنو۔ وہ راز مجھے بھی بتائیے۔

شیوجی قہقہہ مار کر (جس کی آواز بازگشت کیلاش کے پرفشان میں گونج اٹھی۔ گویا ایک ساتھ ہی کئی آواز کے آلے برف کے تودوں سے ٹکرا کر صدا دینے لگے) بولے۔ مہاراج آپ بھگتی ہو بہت سے آدمی آپ کے بھگت ہیں وہ ہر وقت آپ کے گیت گاتے رہتے ہیں اور اس دنیا کو ماتم کدہ سمجھکر اس سے علیحدگی چاہتے ہیں اور آپ سے منتیں کرتے رہتے ہیں کہ کسی طرح اپنے رحم سے انھیں سنسار ساگر سے پار کر دیجئے۔ آپ اُن کے زیر اثر آگئے اور انھیں کے خیالات کو عاریت لے کر اُن کی زبان اور اُن کے محاورہ میں گفتگو کرنے کے لئے مجبور ہو گئے ورنہ کہاں انسان اور کہاں فرشتہ ان کے درمیان زمین آسمان کا فرق ہے۔ جہاں میں آپ کی رحمدلی کی تعریف کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ وہاں انسان کی عظمت کے اقرار کرنے پر بھی مجبور ہوں جو آپ کو زیر اثر لا سکتا ہے۔

ہر مرض کی دوا ہے ہر سوال کا جواب ہے۔ اگیان کا ہمدوش گیان ہے جب معلوم ہو گیا کہ ایسے خیالات انسان کے دل و دماغ میں پیدا ہوتے ہیں تو اُن کی صراحت کا سامان بھی وہیں ہوگا۔ سوائے انسان کے کوئی ایسی پیچیدہ گتھیوں کو نہیں سلجھا سکتا۔ کاشی راج میں گنگاجی سے ڈیڑھ میل کے فاصلے پر ایک سچے انسان نے اصلاح کی نظر سے تعلیم و تدریس کا سلسلہ قایم کر رکھا ہے۔ آپ اور ہم اُس کے پاس چلیں۔ وہ تمام گتھیوں کو دم کے دم میں

سلجھاوے گا۔ سادھو اور مہاتما اُس کو دیال کہتے ہیں۔ میں بھی آپ کے ساتھ چلنے کو تیار ہوں۔

یہ دونوں دیوتا دیال کے پاس آتے ہیں۔ برھما بھی بہ تبدیل لباس و صورت وہاں آکر شریک صحبت ہوئے۔

ان نئے مہمانوں کی وضع خاص قسم کی تھی جسے دیکھ کر دیال کو حیرت ہوئی۔ اور اُس نے یہ پرمعنی تقریر کی۔

آپ معزز مہمان میری تعظیم کے مستحق ہیں میں سچے دل سے آپ صاحبوں کا خیر مقدم کرتا ہوں۔ آپ در اصل میرا رتبہ بڑھانے کے لئے آئے ہیں۔ یہ قدرتی اصول ہے جب کوئی انسان حقیقت کی راہ میں آجاتا ہے اس وقت تمام قدرتی طاقتیں قبل یکے بعد دیگرے اُس کے شریک ہو کر اُسے اُبھارنے اور ترقی دینے کی نیت سے خود بخود شامل ہو رہتی ہیں آپ میرے محتاج نہیں ہیں۔ آپ دیوتا ہیں آپ کے آنے سے میرے عقیدے کو پختگی نصیب ہو گی۔ آپ مجھے نفع پہونچانے آئے ہیں۔ ممکن ہے کہ آپ میں سے کسی کو یہ علم نہ ہو۔

یہ سب سوال کرنے آئے ہیں جس کا جواب پردے کے اندر چھپا ہوا ان کے دل میں رہتا ہے۔ کیوں کہ جو سوال کرتا ہے جواب کو خود اپنے دل میں دبا ہوا اور مجہول سی کی حالت میں ڈھکا ہوا رکھتا ہے۔ مجھے ان کے سوال کرنے سے خیال کی رگ کو حرکت ملتی ہے اور میں ان کی چیز غلاف اور پردوں سے نکال کر ان کے سامنے پیش

کرتا ہوں۔ یہ ادھکاری ہیں گیان خود ان کے اندر چھپا ہوا موجود ہی میری باتوں سے پردہ ہٹ جاتا ہی اور یہ مسرور ہوتے ہیں۔ وشنو دت نے کہا۔ آپ کی چند لمحوں کی صحبت اور مختصر تقریر کی برکت سے میرا بھرم دُور ہو گیا۔ میں نے عملی طور پر کثرت میں وحدت کا نظارہ دیکھ لیا تمام شک وشبہات یہاں آتے ہی کالعدم ہو گئے۔ اگر آپ اجازت دیں تو اوروں کی بھلائی کی نظر سے کچھ سوال کروں اور وہ سوال یہ ہی کہ انسان میں آگ۔ پانی۔ ہوا۔ مٹی اور آہنکار عام ہیں۔ یہ ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ ان کے پنجے میں پھنسا ہوا آدمی کس طرح خوشی کی زندگی بسر کرے۔ آگ ہی اور یہ عجیب قسم کی آگ ہی۔ آگ دوسروں کو جلاتی ہی۔ اپنا نقصان نہیں کرتی مگر یہ آگ اُسی کو برباد کرتی ہی جس کے دل میں بھڑک اٹھتی ہی۔

پانی ہی۔ پانی دوسروں کو غرقاب کر دیتا ہی۔ اپنا نقصان نہیں کرتا لیکن یہ پانی اُسی کو ڈبو دیتا ہی جس کے دل کے اندر یہ اپنے رہنے کا حوض بنا لیتا ہی مٹی کی خاصیت ہی کہ دوسری کو چمٹ کر اُس کا رنگ رُوپ ڈھک لیتی ہی اپنے کو ضرر نہیں پہونچاتی اور یہ مٹی جس کے دل میں پیدا ہوتی ہی اُس کی ہستی کو مٹا دیتی ہی اور وہ کہیں کا نہیں رہتا۔ ہوا دوسروں کو کہیں کا کہیں لیجا کر خشک کر دیتی ہی اپنے کو نقصان نہیں دیتی۔ لیکن یہ ہوا جس کے دل میں پیدا ہوتی ہی اُسی کو سکھا دیتی ہی۔ اہنکاس آکاس سے جس کے دل میں اسے جگہ ملجاتی ہے

اُسی کو برباد کر دیتا ہی۔ اسی وجہ سے خاک و باد و آب و آتش و اہنکار کو انسانی زندگی کا میں دشمن سمجھتا ہوں۔ انسان کے ساتھ یہ پانچ زبردست دشمن رہتے ہیں۔ کیوں کر ممکن ہی کہ انسان ان کو اپنا ساتھی بنا کر آرام سے رہی آستین کا پلا ہوا سانپ ایک ہی نہایت خطرناک ہوتا ہی۔ چہ جائیکہ یہاں پانچ سانپ بغل میں پلنے کے لیے دیئے گئے ہیں۔

برھما نے اِس دنیا کو پیدا کیا اور دُنیا کے رہنے والوں کے ساتھ یہ پانچ خوفناک موذی دشمن لگا دیئے۔ آپ کہئے اگر آدمی ان سے پریشان ہو کر ہر وقت شور نہ مچاتا رہی تو کیا کرے کوئی شخص اگر کسی کو دریا میں رکھکر یہ ہی کہے کہ خبردار پانی میں تو رہو مگر پاؤں کو تر نہ ہونے دینا تو یہ ظلم ہی یا نہیں ؎

درمیان قعر دریا تختہ بندم کردۂ
باز میگوئی کہ دامن تر مکن ہشیار باش

دیال نے جواب دیا کہ آپ کا سوال ہزاروں قسم کے سوالوں کی ماں ہی اسی سوال کے اندر آپ جواب بھی دیتے جاتے ہیں اور اصلیت کا پتہ بتاتے جاتے ہیں آپکا دل و دماغ خاص قسم کا ہی جس کا ایک ہی سوال رمز و اشاروں سے بھرا ہوا ہے اور یہ سب مل ملا کر آپ ہی آپ اصلیت اور حقیقت کی جانب مائل ہونے کے لیے مجبور کرتے ہیں۔ آپ کا ایک جملہ بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ ایک ایک لفظ ضخیم کتاب کی حیثیت رکھتا ہی۔ آج تو وقت کم ہی کل اپنی سمجھ کے موافق اِس

سوال پر روشنی ڈالنے کی کوشش کروں گا۔ یہ کہکر یہ پرمعنی شبد پڑھا۔

تیری کایا میں ست کرتار بھٹکا کیوں کہائے

(۱) کایا میں رہی مایا وایا کا سورگ دوار بھٹکا کیوں کہائے

(۲) کایا سودھ سودھ بج کایا کا یا کا بھید اُتار بھٹکا کیوں کہائے

(۳) کاتا نرگن سگن ہی کایا کا برھمہ وچار بھٹکا کیوں کہائے

(۴) کایا مدہی لسں کنول دل کایا میں اونکار بھٹکا کیوں کہائے

(۵) سُن مہاسن کایا رہی کایا سونگ سار بھٹکا کیوں کہائے

(۶) ست پرش کایاکے باسی لکھ اُگم کا دوار بھٹکا کیوں کہائے

(۷) رادھا سوامی چرن شرن بلہاری کایا ہو نکار بھٹکا کیوں کہائے

اسی شبد کی صراحت و وضاحت کے سوال وجواب ہیں یہ کتاب ہی اور نہایت لطیف و پرمعنی سوال وجواب ہیں۔ جن کے باالاستیعاب مطالعہ کرنے سے طریق فقرائے اورسنت مت کے اعلیٰ اصول اور زبردست سدھانت پر وسعت نظر کے ساتھ تمام مذہبی و فلسفیانہ خیالات سے نجات ملجاتی ہی۔

(۲۳۔ بہمن ۱۳۳۱ف ۲۶۔ ربیع الآخر ۱۳۴۰ھ ۲۶۔ دسمبر ۱۹۲۱ء دوشنبہ)

حسب عادت پانچ بجے بیدار ہوا حوائج ضروری سے فراغت حاصل کی چونکہ آج مجھے نواب امین جنگ بہادر کی تقریب عقد خوانی دختر میں جانا ہی موٹروں کی تیاری کا حکم دیا اور میں وہاں جانے کے لئے تیار ہونے میں مصروف ہوا

ٹھیک پونے سات بجے تیار ہوکر باہر آیا۔ موٹریں تیار تھیں۔ معتمد۔ غبار صاحب حکیم مرزا مہدی کاظمینی۔ بہادر دل خاں موجود تھے۔ سب سے مل کر برخوردار خواجہ پرشاد۔ خواجہ نصر اللہ۔ خواجہ اسد اللہ سلمہم اللہ تعالیٰ اور بہادر دل خاں کو اپنی موٹر میں اور بچوں کے خدمتیوں کو دوسری موٹر میں سوار کرکے ۷ بجے بلدہ کی طرف روانہ ہوا۔ میں بخط مستقیم نواب امین جنگ بہادر کے مکان پر پہونچکر ایک دوست کی خوشی میں شریک ہوا۔ اور بچوں کو بہادر دل خاں کی معیت میں ڈیوڑھی کو بھیجدیا۔

یہ عقد خوانی کی محفل نہایت دلچسپ تھی مجمع بہت تھا۔ اُمرا میں نواب لطافت جنگ بہادر نواب بہرام الدولہ بہادر اور اُن کے بڑے فرزند میر تراب علی خاں صاحب تھے۔ اور بہ تعداد کثیر عہدہ دار۔ جاگیردار۔ مشایخ اور وکلا وغیرہ شریک تھے۔ ایک چوکی قوال کی بھی تھی اس عرصہ میں خدا نما شاہ صاحب شادی خانہ رشک طور میں جلوہ فرما ہوئے۔ تو د فربہ دراز قد لباس گیروا رنگ کا۔ خواہ مخواہ مرد آدمی بڑی شان سے آئے۔ اور تمام محفل کو اپنے جلوہ سے خوش کام فرمایا۔ اِن کے ساتھ ایک بچہ تھا اور وہ پوتا ہوتا ہی۔ اُس کی تعلیم ایسی ہوئی ہی کہ اپنے کو منصور کا دعویدار کہتا ہی۔ دادا جان فخریہ پوچھتے ہیں کہ فلاں کون ہی فلاں کون ہی کہتا ہے کہ حق ہی۔ الغرض ابھی سے سلوک کا سالک بن رہا ہی۔ افسوس کہ اتنے کم سن بچے کو فلسفۂ تصوف کی

تعلیم دی جا رہی ہے۔ آٹھ برس کا بچّہ کیا جانے کہ تصوّف کیا ہے اور فخر کیا جاتا ہے اس بات کا کہ بچّہ سب کو حق کہتا ہے اور خود بھی حق ہے۔ مگر نہیں سمجھتے کہ ناحق جبری تعلیم سب کو خدا کہنے کی دی جا رہی ہے۔

جو بات کی خدا کی قسم لاجواب کی

سوا نو بجے نوشہ مسند پر براجمان ہوا مہمان سب موجود بقول شخصیکہ

دُولھا کے دم کے ساتھ یہ ساری برات ہے

امین جنگ بہادر نے قاضی کی تلاش کی مفتی نور الضیاء الدین صاحب ضیا مفت میں مل گئے۔ انھیں دھر گھسیٹا۔ مفتی صاحب نے چوں کہ ان دونوں باریش سے سُبکدوشی حاصل کی ہے اس لیے مُجوب ہو کر امین جنگ سے کہا کہ کسی اور کو لیجیے یہاں ڈاڑھی ندارد۔ شاید کچھ کہنے والا تھا کہ افسر الملک بہادر نے سبقت کر کے کہا کہ اگر یہاں کمی ہے تو اس کمی کی تکمیل دولھا کے سُسرے کی ڈاڑھی سے ہو جائے گی۔ یعنی امین جنگ کی ڈاڑھی سے۔ اس پر ایک فرمائشی قہقہہ ہوا اور ساری محفل کی باچھیں کھل گئیں۔ اب تو مولوی صاحب نے خطبہ شروع کیا کوشش کی پنچم کے سُر میں سب کے دلوں کو لبھائیں۔ مگر حلق نے یاری نہ دی بجز کھرج کے۔ غرض بے سُرے پن کی داد خوب ملی۔ عقد باندھا گیا بادام اور مصری لُٹائی گئی۔ چوں کہ مولوی احمد حسین صاحب مدراسی ہیں اس لیے مدراسی احباب کی کثرت تھی۔ اس قدر فراخ دلی سے بادام مصری پھینکی گئی کہ

یہ مصداق پوری ہوئی۔ حلوائی کی دوکان دادا جی کی فاتحہ۔ اس کے بعد احباب نے قطعات تاریخ اور سہرے پڑھنا شروع کیے۔ چوں کہ شاد نے بھی تاریخیں کہی تھیں ایک دختر کی شادی کی تاریخ دوسرے فرزند کی شادی کی۔ اس قدر سب اپنے میں محو تھے کہ فرزند کی شادی کا قطعہ دختر کی شادی میں پڑھا۔ وہ داد ملی کہ واہ واہ سبحان اللہ۔ مکان کی چھت غنیمت ہے کہ نہ گری۔ جس وقت میں نے وہ قطعہ لکھا تھا اُس وقت میرا خیال تھا کہ صرف قطعہ بھیج دوں۔ بعد مسافت کے باعث خود نہ جاؤں مگر مصمم ارادے نے اس خیال کو خیرباد کہا اور شاد بمصداق ؎

خیال خاطرِ احباب چاہیے ہر دم
انیس ٹھیس نہ لگ جائے آبگینوں میں

پہونچ ہی گیا۔ اور دوست کی خوشی میں شریک ہوا۔ میں نے قطعہ میں اُس وقت لکھا تھا کہ شاد سب مہمان جمع ہیں مگر اک تری کمی ہے جب یہ شعر پڑھا گیا تو میں نے امین جنگ بہادر میزبان سے کہا کہ اب تو خود موجود ہوں۔ اب غیر حاضری کا ذکر کیا۔ اس پر بھی ایک قہقہہ ہوا۔ اسی قطعہ میں شاد نے قاضی صاحب کی خیالی تصویر کھینچی تھی کہ باریش سفید عقد پڑھانے آئے ہیں جب یہ شعر پڑھا گیا تو میں نے کہا کہ یہاں بے ریشہ قاضی مل گیا۔ اس فقرے پر بہت ہی زور کا قہقہہ ہوا۔ بارے ہنسی خوشی کے ساتھ تاریخ بازی ہو کر مبارک سلامت کے تحفے پیش ہوئے۔ دولھا نے خوشی خوشی سے اپنے حصول نعمت غیر مترقبہ پر شاداں ہو کر سب کو سلام کیا او

اُسی کُسی کے سامنے سرِ نیاز جھکایا۔ سبھوں نے دُعائے مبارکبادی۔ اس کے بعد امین جنگ بہادر چائے خوری کے لئے مجھے خیمہ میں لے گئے۔ نواب سرافسرالملک بھی ساتھ تھے۔ چائے نوشی کے بعد پان سے مُنہ لال کیا۔ قوال علی بخش کو فقیر شاد نے انعام دیا۔ موٹر پر سوار ہو رہا تھا کہ امین پولیس بلدہ نے اطلاع دی کہ پیشگاہ جہاں پناہی سے ایک فرمان نافذ ہوا تھا کہ شاد نگر بھیجا جائے اب کیا ارشاد ہوتا ہے شاد نے کہا کہ شاد نگر کا شاد خود یہاں حاضر ہے۔ الغرض ڈیوڑھی میں آیا۔ نواب لیاقت جنگ اتفاق سے آگئے۔ تھوڑی دیر اُن سے گپ رہی۔ کھانے سے فارغ ہو کر باہر آیا۔ سرکاری فرمان پہونچا۔ سر اور آنکھوں پر رکھکر بچوں کو ساتھ لے کر اسٹیشن فلک نما پر پہونچا۔ ٹھیک بارہ بجے کیمپ شاد نگر کو روانہ ہُوا۔ اور دو بجکر ۳ منٹ پر مع الخیر شاد نگر پہونچ گیا۔ اسٹیشن پر معتمد۔ اور غبار صاحب حکیم مرزا مہدی کاظمی۔ عبدالرحیم تحصیلدار وغیرہ حاضر تھے۔ ان سب کے ساتھ اپنے کیمپ میں آیا۔ شام کے پانچ بجے ٹہلتا ہوا پھر اسٹیشن کی طرف گیا۔ غبار صاحب بہادر دل خاں اور فرزندان سلمہم اللہ تعالیٰ میرے ساتھ تھے مگر جلد واپس آگیا۔

(۴ ۲ بہمن ۱۳۳۱ف ۲۷ ربیع الآخر ۱۳۴۰ھ ۲۷ دسمبر ۱۹۲۱ء سہ شنبہ)

۸ بجے باہر آیا اسٹیشن پر گیا وہاں کچھ دیر ٹھہر کر جنگل کی طرف چلا گیا۔ بہادر دل خاں اور بچے میرے ہمراہ تھے۔ ابھی جنگل میں مناظرِ قدرت سے پوری دلچسپی نہ لے چکا تھا کہ چوبدار نے نواب اظہر جنگ بہادر کے آنے کی اطلاع دی۔

میں واپس ہونے کو تھا دیکھا کہ وہ خود میرے چھوٹے داماد (قادر علی خاں عرف چھوٹے نواب دولھا) کے ساتھ میری طرف آرہے ہیں۔ راستہ ہی میں اُن سے ملا اور باتیں کرتا ہوا اپنے خیمہ میں آیا۔ دیر تک اُن سے باتیں کرتا رہا۔ میرے آقائے ولی نعمت اعلیحضرت خلد اللہ ملکہٗ نے شادنگر میں اپنی نہضت فرمائی کے متعلق ان کو بھیجا تھا۔ تقریباً ایک گھنٹہ بیٹھکر موٹر میں واپس ہوئے ان کے جانے کے بعد اسمٰعیل مرزا امین کروڑگیری سے جو نادر بہبود علی مرزا کے داماد ہیں اور کل سے میری ملاقات کے لئے آئے ہوئے ہیں ملا۔ اپنی جدید تصنیفات سے بعض کتابیں اُن کو تحفۃً دیں۔ اس کے بعد برخاست کرکے اپنے پرائیوٹ رُوم میں گیا۔ اور اپنے ضروری مشاغل میں مصروف ہوا۔

غلام حسین۔ برکت علی ربابی ساکن امرت سر جو گرو نانک کے شبد گانے میں ایک خاص شہرت رکھتے ہیں اور عبدالغنی جو میرے فرزندوں کے اتالیق ہیں بلدہ سے آئے۔

چار بجے باہر آیا۔ چوبدار نے اطلاع دی کہ مظہر حسین صوفی صاحب مہتمم کوتوالی صرف خاص حاضر ہیں۔ میں نے اُن سے ملاقات کی معتمد اسٹیٹ کو اعلیحضرت کی تشریف آوری کے متعلق انتظامی ہدایتیں کیں۔ شام کو کہیں نہیں گیا۔

(۲۵۔ بہمن سنہ ۱۳۳۱ف ۲۸۔ ربیع الآخر سنہ ۱۳۴۰ھ ۲۸۔ دسمبر سنہ ۱۹۲۱ء چہارشنبہ)

شب کے معائنہ کئے ہوئے کاغذات غبار صاحب اور معتمد اسٹیٹ کے واپس کئے

اور میں آئل پینٹنگ کے شغل میں مصروف ہوا۔ بہادر دل خاں اور غبار صاحب آئے
آئل پینٹنگ کے شغل کے ساتھ اُن سے بھی باتیں کرتا جاتا تھا اور اپنا کام بھی ساڑھے گیارہ بجے
برخاست کی۔ کھانے سے فارغ ہو کر کیمپ کے متعلق کاغذات معائنہ کئے ۲ بجے
کی ٹرین میں مولوی سید عبد الرؤف صاحب دہلوی جو شمس العلماء مولوی
نذیر حسین محدث دہلوی کے نواسے ہوتے ہیں اور مولوی سید عبد الرؤف
صاحب شوق جعفری اور اُن کے ساتھ پانڈو رنگراؤ بلدہ سے آئے۔ غبار
صاحب نے ذریعہ معروضہ ہر دو عبد الرؤف کے آنے کی اطلاع دی۔ چار بجے
حسب معمول باہر آیا اور اُن سے ملاقات کی۔ مولوی سید عبد الرؤف صاحب
ایک ذی علم خوش مزاج بذلہ سنج ہیں اس کے قبل اکثر سفروں میں میرے
ہمراہ رہے ہیں۔ شام تک اُن سے باتیں کرتا رہا۔ اس کے بعد برخاست کیا
وہ غبار صاحب کے خیمہ میں گئے اور میں اپنے خیمہ میں آیا۔

(۲۶۔ بہمن ۱۳۳۱ف ۲۹۔ ربیع الآخر ۱۳۴۰ھ ۲۹۔ دسمبر ۱۹۲۱ء پنجشنبہ)

صبح کو اوّل وقت بیدار اور حوائج ضروری سے فارغ ہو کر مالک حقیقی
کی یاد میں مصروف ہوا۔ آٹھ بجے باہر آ کر اسٹیشن کی طرف گیا۔ غبار صاحب
بہادر دل خاں ہمراہ تھے۔ تھوڑی دیر ٹھہر کر واپس آیا۔ کچھ دیر آئل پینٹنگ کا
شغل کرتا رہا۔ شام کو بھی اسٹیشن کی طرف جا کر جلد واپس آگیا۔

(۲۷۔ بہمن ۱۳۳۱ف ۳۰۔ ربیع الآخر ۱۳۴۰ھ ۳۰۔ دسمبر ۱۹۲۱ء جمعہ)

آج آقائے ولی نعمت اعلیٰحضرت کے شاگرونگر میں فقیر شاد کی عزت افزائی فرمانے کی گرم خبر ہے معتمد اسٹیٹ کو کیمپ کی صفائی کے متعلق ضروری ہدایتیں کرتا ہوا فتح نگر کی سڑک پر کچھ دُور تک گیا۔ برخوردار خواجہ پرشاد۔ خواجہ نصر اللّٰہ خواجہ اسد اللّٰہ اطال اللّٰہ عمرہم۔ بہادر دل خاں۔ غبارؔ صاحب معتمد اسٹیٹ میرے ساتھ تھے۔ کچھ دُور جاکر واپس ہوا۔ اور سیدھا اسٹیشن کی طرف گیا۔ کچھ دیر ٹھہر کر واپس آیا۔ ساڑھے چار بجے پھر اسٹیشن کی طرف گیا وہاں عبدالرزاق حسین صاحب مفتیؔ تخلص متولّی درگاہ غلام نبی شاہ صاحب نے ایک کاغذ پیش کیا جس میں کچھ رُباعیات تھیں۔ میں نے ان کو پڑھا۔ چوں کہ اعلیٰحضرت کی نہضت فرمائی شادنگر کی گرم خبر ہے اس لئے عُہدہ داران تعمیرات و عہدہ داران پولیس اضلاع انتظام کے لئے یہاں آئے ہوئے ہیں کیپٹن محمد عزیزالدین صاحب جو فوجی گارڈ کے ساتھ یہاں آئے ہیں مجھ سے ملے۔ ابھی میں اُن سے باتیں کررہا تھا کہ کہ مظفر حسین صاحب صوفی مہتمم پولیس اور شہزادہ سلطان عبدالحمید صاحب انسپکٹر پولیس آئے تھوڑی دیر تک اُن سے باتیں کرتا رہا۔ واپسی میں بھی مہتمم پولیس اور انسپکٹر پولیس میرے ہمراہ تھے۔ تھوڑی دیر بیٹھکر موٹر میں بلدہ کو واپس ہوئے آج تشریف آوری سرکار کی ملتوی ہوگئی ہے۔

عبدالرزاق حسین صاحب کی رُباعیات میرے ہاتھ میں تھیں مکرر اُن کو پڑھا۔ اُن کے والد کا کلام بھی میں نے دیکھا ہے۔ لیکن اِن کا کلام اُن کے کلام سے

جُدا ہی۔ انھوں نے اپنے لئے ایک جُداگانہ راستہ اختیار کیا ہی۔ چنانچہ اُن کی رُباعیاں ذیل میں صرف اس لیے لکھتا ہوں کہ میرے اس مختصر روزنامچے کے ناظرین بھی اس کا لطف حاصل کرنے سے ناکام نہ رہیں۔

رُباعیاتِ مفتی

(۱)

ہم شاہ ہیں یا کہ چور کس نے دیکھا
خود شہ ہیں کہ شاہ زور کس نے دیکھا
ہم وقت کے ہیں اپنے سلیمان مفتی
ناچا جنگل میں مور کس نے دیکھا

(۲)

اہل دنیا نہیں ہیں دیں کے پابند
دنیا میں نہاں ہی دیں جو ہوں غور پسند
دُنیا اُن سے بری ہی دیں ہی بیزار
بدنام کنندۂ نکو نامے چند

(۳)

جو لوگ زمانہ میں ہیں دیوانہ سرشت
یکساں اُن کو ہی بس یہ دوزخ یہ بہشت
ہیں خوف و رجا کے پار جھنڈی اُن کے
کیا کعبہ و مسجد اُن کو کیا دیر و کنشت

(۴)

مشہور ہی تین اعتبارِ توحید
کیسا ہی تعدد اس میں باید فہمید
دعویٰ ہے یہ بادلیل اپنا مفتی
آنکھیں تو ملیں ہیں دو مگر ایک ہی دید

(۵)

بندہ سے خدا کی ذات ہے سجدہ طلب	ساجد ہوں میں اور مسجود ہے رب
کوشش مفتی قبول ہوتی ہے ضرور	مشکل جو چیز ہے وہ آساں ہے سب

(۶)

مشکل ہے عجب طرح کی موقع ہے عجیب	گردش ہے دوا دوی ہے دورہ ہے نصیب
سب طور سے بے امیدی آتی ہے نظر	رحمت کہتی ہے فضل مولا ہے قریب

(۷)

اُن کو جو کسی نے مسکراتے دیکھا	بجلی اُنھیں دن دیئے گراتے دیکھا
پردہ ہی اگر کہیں برآمد وہ ہوئے	بنکر نور آنکھوں میں در آتے دیکھا

(۸)

ہوتی ہے نصیب سب کو روزی از غیب	سمجھو تو خدا سے مانگنا بھی ہے عیب
مفتی اپنے نبی پہ بے رنج وطلب	نازل ہوئی ذٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ

(۹)

دُنیا کی بھلی بُری سہی رنج سہا	جیسا مجھے تو نے رکھا ویسا ہی رہا
نوّاب و امیر و ملک و دولہ ہیں بہت	یک یک سے میں چاہتا تو سو لیتا

اوّل کے چھ رُباعیوں کے مصرعۂ آخر کی تضمین کر کے اور چھ رُباعیاں لکھکر اُن کے پاس بھجوا دی گئیں۔ جو حسب ذیل ہیں۔ باقی تین رُباعیاں اس سے بالا تھیں

کہ میں اُن پر کچھ لکھتا۔ خصوصاً آٹھویں اور نویں رباعی جس میں اُنھوں نے خدا سے بھی مانگنے کو عیب سمجھا ہے، مگر نواب و امیر و ملک و دولہ سے اگر چاہیں تو سنو سنوا لیں۔

بہرحال میں اپنی چھوٹی رباعیاں ضیافت طبع ناظرین کے لئے درج ذیل کرتا ہوں وَھُوَ ھٰذا۔

(۱)

بسر مایۂ مار و مور کس نے دیکھا	بے حال کا زور و شور کس نے دیکھا
ہے روزِ ازل سے حال اور قال میں فرق	ناچا جنگل میں مور کس نے دیکھا

(۲)

آزاد جو ہیں نہیں کسی کے پابند	حاجت سے انھیں غرض نہ وہ حاجتمند
دُنیا طلبی میں دعویٔ دینداری	بدنام کنندۂ نکو نامے چند

(۳)

کہنے کا مجاز ہے وہ ہو نیک کہ زشت	لیکن ہے موحدین کی خاص سرشت
کثرت میں وہ دیکھتے ہیں شانِ وحدت	کیا کعبہ و مسجد اُن کو کیا دیر و کنشت

(۴)

محتاجِ دوئی نہیں ہے شانِ توحید	بیفائدہ ہے مباحث دید و شنید
عارف جو ہے وہ یہ کہیگا نہ کبھی	آنکھیں تو ملی ہیں دو مگر ایک ہی دید

(۵)

کفراں ہی گلا جو ہو نہ حاصل مطلب
ہی راحت و رنج شاؔد اک حکمتِ رب
کوشش کرنا ہی کامیابی کی دلیل
مشکل جو چیز ہے وہ آساں ہی سب

(۶)

ہر چند کہ حادثاتِ دُنیا ہیں عجیب
پر بندہ ہیں اُس کے جو ہی رحمٰن و مجیب
مقصد سے کبھی جو دُور ہو جاتا ہوں
رحمت کہتی ہی فضلِ مولا ہی قریب

آج کی ڈاک میں حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب دہلوی کا خط مجھے ملا۔ جس میں اُنھوں نے اپنے گھر میں لڑکی پیدا ہونے کی خوشی ظاہر کی اور اُس کا نام رُوح بانو لکھا تھا میری زبان سے بیساختہ رُوح بانو خوش نصیب نکل گیا۔ غبار صاحب اُس وقت حاضر تھے اُنھوں نے جو حساب کیا تو پورے ۱۳۳۱ف نکلے۔ میں نے اُسی وقت اُن کے خط کے جواب میں اوپر کے تین مصرعہ لکھکر پورا قطعہ تاریخ حضرت خواجہ حسن کے پاس بطور تہنیت رجسٹری کرا کر بھیجدیا وہ قطعہ یہ ہے

قطعۂ تاریخ

جب ہوئیں پیدا مبارک وقت میں
خواجہ کے گھر نورِ چشم جامہ زیب
شاؔد نے تاریخ فصلی یوں کہی
ہو مبارک۔ رُوح بانو خوش نصیب

(۲۸ بہمن ۱۳۳۱ف یکم جمادی الاول ۱۳۴۰ھ ۳۱ دسمبر ۱۹۲۱ء شنبہ)

آج انگریزی سنہ کے ختم کا آخری دن ہی کل سے ۱۹۲۲ء شروع ہو گا جس کا ہم خوشی سے خیر مقدم کرتے ہیں۔

آج ہم افسوس کے ساتھ ۱۹۲۱ء کو رخصت کرتے ہیں۔ یہ جاتا ہی اور ہمیشہ کے لئے جاتا ہی اب کبھی نہ آئے گا۔ وقت کی دلفریبیاں، سہانی گھڑیاں کسی کے روکے نہیں رکتیں آفتاب کی شعاعیں اپنی نمود کا یقین دلاتی ہیں نسیم سحر ناز کی چال چلتی ہوئی آتی ہی۔ نہیں اس کے متواتر جھونکے آتے ہیں اور مزہ دے کے نکل جاتے ہیں۔ کوئی ان جھوکوں کی رفتار پر غور کرے تو اسی موجودہ انقلاب زمانہ کی تصویر نظر آجائے گی۔ ایک جھونکا آتا ہے اور اپنا لطف یاد دلا کے نکلجاتا ہی اس کے چلے جانے کے بعد ہم اس کے لطف کو یاد کرتے ہیں اور حیران ہوتے ہیں کہ ہائے کس قدر جلد ہمارے قبضہ سے نکل گیا۔ ہم اسی فکر میں رہتے ہیں کہ دوسرا جھونکا آتا ہی۔ ہم چونک کے اس کے روکنے کی کوشش کرتے ہیں مگر ناکام رہتے ہیں۔ اس کے ساتھ یہ اُمید ہوتی ہی کہ تیسرا جھونکا بھی آئے گا۔ ہم خوب مستعد ہو کے بیٹھتے ہیں کہ اب جو جھونکا آئیگا اُسے ضرور ٹھیرالیں گے۔ ناگہاں تیسرا جھونکا آتا ہی اور ایک مزہ دار ٹہوکا دی کے ہمیں چونکاتا ہی۔ ہم یک بیک پر اضطراب حالت کے ساتھ دونوں ہاتھ بڑھا دیتے ہیں کہ اس جھونکے کو زبردستی پکڑ لیں۔ مگر نہیں کچھ بھی نہیں کامیابی نہیں ہوتی بلکہ اپنی خفیف الحرکاتی پر خفت ہوتی ہی۔ اسی طرح زمانہ کے وسیع

اور ممتد اجزا یعنی سنین کو ہم ہی نہیں ہماری طرح ہزار ہا انسان چاہتے ہیں کہ جس طرح ہوسکے روک لیں مگر ایک کے بنائے ہوئے نہیں بنتی۔ اور یہ آندھی کے جھونکوں کی طرح سب کی آنکھوں میں خاک جھونک کے نکلے چلے جاتے ہیں واقعی برس کے روکنے کی کوشش کرنا ایسا ہی ہے جیسے کوئی ہوا کو مٹھی میں تھامنا چاہتا ہے۔

اے ۱۹۲۲ء آ اور خوشی کے ساتھ آ اگرچہ تو ہم پر ایک نیا حاکم ہے جیسا تو ناتجربہ کار ہے ویسے ہی ہم بھی تیرے مزاج اور تیرے اصول سے محض ناواقف ہیں۔

شروع سال پر انسان کے خیال میں عموماً ایک تغیر ہو جایا کرتا ہے امیدیں اور آرزوئیں جو اس سے پہلے سال دل میں چھپی رہی تھیں اور جن کو وہ مرحوم سال نہیں پورا کرسکا۔ اگرچہ آج سال کے ختم پر ایک صدمہ محسوس ہوتا ہے۔ افسوس یہ تمنائیں رہ گئیں اور بعض کے منہ سے بے اختیار نکل رہا ہے۔

اب کے بھی دن بہار کے یوں ہی گزر گئے

مگر ۱۹۲۲ء کی پہلی تاریخ وہ آرزوئیں اور تمنائیں از سر نو زندہ ہوگئیں ہیں اور آرزومندوں نے اُن کو اس سال کے گود میں ڈال دیا ہے۔ ظاہر اسباب دل گواہی دیتا ہے کہ یہ سال مبارک ہوگا۔ اور ہماری تمناؤں کو پورا کرے گا۔ کون نہیں جانتا کہ وقت کی رفتار تیز پر کبوتر کی پرواز سے بھی کہیں زیادہ

ہے۔ نبض کی بھی ایک خاموش چال ہے۔ گھڑیاں گھنٹے بھی ٹک ٹک کرتے ہیں
نظر۔ آواز اور روشنی بھی حرکت میں ہے رات دن اور سورج چاند بھی ہمیشہ آپس
میں رفتار ہی کے ذریعہ سے تبادلہ کرتے رہتے ہیں۔ ندیوں کا رگ۔ دریاؤں کی
چھلک بھی ایک دھیمی سرعت سے وابستہ ہیں۔ دھوپ اور سایہ آئے دن ہماری
نگاہوں کے سامنے کہیں سے کہیں جاتے دکھائی دیتے ہیں۔ یہ سب کچھ
ہوتا ہے مگر بھولا انسان بالکل غافل ہے۔ اسے یہ بھی خبر نہیں کہ یہ گہما گہمی یہ دوادوش
یہ دوڑ دھوپ کس کے لئے ہے۔

قطعہ

ابر و باد و مہ و خورشید و فلک در کار اند	تا تو نانے بکف آری و بہ غفلت نخوری
ہمہ از بہر تو سرگشتہ و فرماں بردار	شرط انصاف نباشد کہ تو فرماں نبری

انسان کو کچھ بھی نہیں معلوم کہ قدرت کے کارخانہ میں کس وقت کیا تبدیلی
ہوئی کس کا چہرہ ہوا اور کس کی برطرفی ہوئی سینکڑوں ہستیاں صدہا ذی روح
و غیر ذی روح ہستیاں یا مینجر۔ ٹھوس یا کھوکھلے۔ بڑے یا چھوٹے کچھ سے کچھ شکل
پیدا کر گئے۔ دریا پایاب ہو گئے، خار زار چمنستان کہلائے۔ وادیاں جنگل جنگل دریا
دریا گل و گلزار بن گئے۔ جہاں سال ہا سال سمندر موجیں مارتا تھا وہاں جزیرے
پیدا ہو گئے۔ مگر آپ کو بھی کچھ خبر ہے ہم کہاں ہیں۔ یہی بڈھا پھوس زمانہ جب گزرنے
پر آتا ہے تو بڑے بڑے کج کلاہوں کی طرف مڑ کے بھی نہیں دیکھتا۔ یہی ہوا کی

آمد برآمد۔ یہی دو سبک حرکتیں جو اُس مٹی کے پنجرے میں ہر وقت جاری ہیں انھیں کا نام دم ہے۔ اسی دم سے ثانیے، ثانیے سے منٹ اور منٹ سے گھنٹے بنتے ہیں وہی گھنٹے اپنی مجموعی طاقت کو رات دن ثابت کرتے ہیں اور آخر یہی رات دن مہینوں کی خبر لاتے لاتے بارہ مہینے کے بعد ایک سال پورا ہو جاتا ہے اور دوسرا شروع ہوتا ہے۔

انقلاب سال اگر سچ پوچھئے تو کوئی خوشی کی چیز نہیں ہے جانے والا سال ہماری زندگی کا ایک قیمتی برس ہم سے چھین لیا جاتا ہے جس کے چھن جانے کے بعد ہم سمجھتے اور پچھتاتے ہیں کہ افسوس اتنے زمانہ میں ایسے ایسے کام ہو سکتے تھے اور ہم نے کچھ نہ کیا اور آنے والا برس آ کے نوٹس دیتا ہے کہ جو کچھ کرنا ہے کر لو، آج کا کام کل پر نہ اُٹھا رکھو۔

تا سال دگر کہ خورد زندہ کہ ماند

افسوس ہمارے بہت سے دوست جن کی تحریریں ہماری نظر کے سامنے ہیں جن کی تصویریں ہماری آنکھوں میں پھر رہی ہیں یوں ہی رخصت ہوتے چلے گئے۔

آج زمانہ نے سنین کی تاریخ کا ایک اور ورق اُلٹا ہے یعنی ۱۹۲۱ء سدھارتا ہے اور اُس کی جگہ ۱۹۲۲ء نیا سال جنم لیتا ہے۔ جس کا عملدرآمد کل پہلی جنوری سے شروع ہوگا۔ اب دیکھنا تو یہ ہے کہ جب ۱۹۲۱ء نے یہاں قدم رکھا تھا تو ہم کس نقطے پر

تھے۔ اور اب ۱۹۲۲ء نے آکر اپنے پیشرو کو سبکدوش کیا ہی تو اس وقت ہم ترقی کے میدان میں کون سے درجہ پر دکھائی دیتے ہیں۔

الٰہی یہ سال نوع انسان۔ چرند۔ پرند۔ حیوان۔ بلکہ گھانس کی پتّی پتّی کے لیے مبارک کر۔ چوں کہ آج ہم شادنگر کے جنگل میں اپنے خود میزبان و مہمان ہیں اِس لیے جنگل کی گھانس درخت اور جھاڑی کی بھی خیر منانے والے ہیں۔ الٰہی امیر غریب۔ بادشاہ و گدا۔ امن و راحت سے بسر کریں۔ ہر جگہ شانتی اور اطمینان کا پہرہ ہو۔ الٰہی سب کے طفیل میں فقیر شاد معہ والبستگان و متعلقان و اولاد و احفاد و نوکر چاکر۔ اپنے بیگانے تیری حفظ و حمایت میں شاد و خوش کام رہیں۔

۹ بجے میں اپنے خیمہ سے نکل کر ٹہلتا ہوا فرخ نگر کی سڑک پر جا رہا تھا کہ غلام حسین بیا برکت علی ربابی شبد سرایان بابا گرونانک آئے وہ بہت دیر تک بابا صاحب اور اُن کے جانشینوں کی لائف بیان کرتے رہے۔

میں وہاں سے واپس ہو کر اسٹیشن پر آیا۔ کیمپ میں آقائے ولی نعمت اعلیٰحضرت کی نہضت فرمائی کے لئے غیر معمولی صفائی اور آرائش کا اہتمام ہو رہا ہے۔ وہاں سے واپس آیا اُسی وقت محمد اعلیٰ صاحب ناظم پولیس اضلاع۔ میجر عظمت اللہ مہتمم کوتوالی محبوب نگر۔ مظفر حسین صاحب صوفی مہتمم پولیس صرف خاص۔ کیپٹن محمد عزیز الدین صاحب (یہ تمام عہدہ دار اہتمام و انتظام سواری اعلیٰحضرت کی غرض سے آئے ہوئے ہیں) آئے بہت دیر تک میں اُن سے ہم کلام رہا۔ اُنھیں کی زبانی مجھے

اُسی وقت معلوم ہوا کہ سرکار کی سواری کا پروگرام بدل گیا اب وہ ۴ جنوری ۱۹۲۲ء چہار شنبہ کو نہضت فرما ہوں گے۔ وہ یہ اطلاع دے کر بسواری موٹر محبوب نگر کو روانہ ہوئے۔ اور میں اپنے خیمہ میں آیا آج غبار صاحب منتظم پیشی اور معتمد اسسٹنٹ وعبد الغنی اتالیق برخورداران طال عمرہم نے بلدہ جانے کی اجازت حاصل کی اور چار بجے کی گاڑی میں روانہ بلدہ ہوئے۔

ساڑھے چار بجے شام کے میں ٹہلتا ہوا اسٹیشن کی طرف آیا۔ بہادر دل خاں اور بچے (خدا اُن کی عمر میں برکت دے) میرے ہمراہ تھے جلد واپس آگیا۔

(۲۹ بہمن ۱۳۳۱ف ۲ جمادی الاول ۱۳۴۰ھ یکم جنوری ۱۹۲۲ء یکشنبہ)

آج جنوری ۱۹۲۲ء کی پہلی تاریخ اور نئے سال کی خوشگوار صبح ہی کیا سُہانی و پُر فضا صبح ہے۔ جنگل کے خود رو پودے عجیب کیفیت اور لطف کے ساتھ اپنا جلوہ دکھا رہے ہیں۔ اس کا لطف اُن دلوں سے پوچھیے جو قدرت اور فطرت کی اس نعمت کا مزہ چکھ چکے ہیں۔ یا چکھ رہے ہیں۔ طیور سر شام سے اپنے گھونسلوں میں یا درختوں کے پودوں میں چھپے ہوئے دم بخود بیٹھے تھے۔ صبح کی دل آویز ہوا نے اُن کے دلوں پر بھی اثر کیا۔ کہ خواب غفلت سے بیدار ہو کر خوش آیند لہجوں میں اپنے پیدا کرنے والے کی حمد و ثنا کرنے لگے۔ ممکنات عالم میں ہر مذہبی اصول کے مطابق معبود حقیقی کی پرستش کا یہی وقت ہے۔ آفتاب کی تیزروی نے آناً فاناً صبح کا رنگ ہی بدل دیا دھوپ نکل آئی میں بھی اپنے خیمہ سے باہر آیا۔

راجہ پلٹن نے حسب عادت باقاعدہ سلامی دی۔بطور چہل قدمی اسٹیشن پر آیا کچھ دیر یہاں ٹھہر کر واپس ہوا۔ دو پہر کی ٹرین میں جیون پرشاد صاحب داماد راجہ اندر کرن بہادر۔ رادھا پرشاد صاحب۔ بشمبر نارائن صاحب شیو موہن لال صاحب اقربائے راجہ دھرم ونت بہادر بلدہ سے آئے اپنے مہمانوں سے ملا دیر تک لطف ہم کلامی رہا۔

ان نوجوانوں نے اپنے قومی غیر مستطیع بچّوں کی امداد کے لئے ایک تماشا کرکے اس کی آمدنی اُن کو دینے کے لئے کمر ہمّت باندھی ہے۔چنانچہ اُن نوجوانوں سے معلوم ہوا کہ چار پانچ ماہ سے چنتامنی کے کھیل کی مشق شروع کردی ہے وہ اپنی یگانگت اور عقیدت سے چاہتے ہیں کہ سرپرستی کروں۔ فقیر شاد نے اُن کو اطمینان دلایا کہ ضرور مدد دوں گا اور میرے شریک ہونے میں تامل نہیں بلکہ اگر عمر اجازت دیتی اور پندرہ بیس برس قبل یہ تحریک ہوتی تو میں بھی کوئی پاٹ لینے سے دریغ نہ کرتا۔

یہ مہمان قریب شام بہادر دل خاں کے ہمراہ اُن کے باغ اعظم گلشن میں گئے اور شب کو وہیں قیام کیا۔

(۳۰۔بہمن ۱۳۳۱ف ۳۔جمادی الاوّل ۱۳۴۰ھ ۲۔جنوری ۱۹۲۲ء دوشنبہ)

آج آسمان پر کسی قدر ابر چھایا ہوا ہے ہوا بھی سرد ہے معلوم ہوتا ہے کہیں بارش ہوئی ہے۔ میرے مہمان باغ سے آئے دیر تک اُن سے باتیں کرتا رہا۔

چار بجے کی ٹرین میں میرے عزیز مہمان بلدہ کو روانہ ہوئے۔ ابر محیط آسمان ہی۔ ہوا تیز اور سرد ہی۔ شام سے گھٹا ٹوپ اندھیرا چھایا ہوا ہی۔ سیاہ بادل ہاتھیوں کی قطاروں کی طرح بجلی کی زنجیروں میں جکڑے اپنے عظیم الشان ملک کے احکام کی تعمیل کے لیے حملہ آور راجہ کی طرح اپنے مغلوب دشمن کی دارالسلطنت میں دربار کرنے کے لیے مچا رہا ہی۔ تیز ہوا کی فوج جھڑیوں کی نوکدار تیروں اور بجلی کی جگمگ کرتی جھنڈیوں کے پھریرے اڑاتا فضائے عالم پر حملہ آور ہوتا دوش ہوا پر چلا جاتا ہی۔ اور بخارات کے اجتماع سے آسمان طوفانی سمندر معلوم ہونے لگتا ہی۔ اندھیرا اس بلا کا ہی کہ بجلی کی چمک سے تاریکی اور گہری ہو جاتی ہی۔ ہمارا کیمپ فطرت کے اس ہولناک منظر سے وہشت زدہ ہو رہا ہی۔ طوفانے آسمان کا بعینہٖ ایسا نقشہ بنا دیا ہی کہ سمندر کی تاریک موجیں تلاطم سے تنگ آ کر اچھل اچھل کر اپنا چمکتا ہوا چہرہ سر ساحل ٹکرا رہی ہیں۔

ہوا اور ابر کا مقابلہ تھا۔ دونوں مرد میدان۔ دونوں رن چڑھی پہلوان ہوا کہتی ہی کہ اپنے زور سے ابر کو چٹکیوں میں اڑا دوں گی۔ ابر کہتا ہے کہ آ تو سہی تیرے ہی زور اور تیری ہی قوت سے کام لے کر تجھکو نیچا دکھاؤں گا آخر دونوں میداں میں کود دی۔ دونوں زبردست۔ گرانڈیل بادل مست ہاتھی کی طرح منہ اٹھائے کھڑا ہی۔ بجلی کوندکوند کر سر پر جنوں کر رہی ہے۔ ہوا پینترے بدل رہی ہی۔ بجلی کسی حسن فروش مہ جبیں کی طرح جس کی نیکنامی تلون اور ہرجائی پن کی نذر ہو چکی

ہوا ایک جگہ دم بھر نہیں ٹھہرتی۔ بلکہ آسمان پر تڑپتی پھرتی ہے۔ ابر دریا بار نے
آخر آبی تیر برسانے شروع کئے۔ ابر برسا تو شاعرانہ مذاق سے کسی فراق دیدہ
کے دیدۂ گریاں پر چشمک زنی کرنے لگا۔ سوادِ شب کی نورانی کیفیت ابر کی تیرگی
میں اس طرح غائب ہو گئی جیسے خبیث باطن لوگوں کے دل سے احسان کی یاد
اندھیرے نے چاند کو اس طرح گم کر دیا ہے جیسے ریا کار اپنی شرمناک زندگی کو
تقدس کے جامہ میں چھپا لیا کرتے ہیں درحقیقت ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آسمان کوئی
دم میں گھل کر بہ جائے گا۔ کیوں کہ وہ اندر کے جہاں سوز بانوں سے گھل گھل کر
پُرشور سیلابوں میں جو رُکنے کا نام نہیں جانتے اُمنڈ رہا ہے۔ بادل کبھی چڑھتے
ہیں کبھی اُترتے ہیں کبھی سمٹتے ہیں کبھی پھیلتے ہیں کبھی جھک کر زمین سے
لگ جاتے ہیں۔

بادل کی کڑک۔ بجلی کی چمک۔ ہوا کا زور شور۔ زمانہ تیرہ و تار جنگل دریا
خیموں میں ٹخنوں تک پانی۔ طنابیں ٹوٹنے لگیں میخیں اُکھڑنے لگیں خیمے
گرنے لگے۔ آدمی دبنے لگے۔ کیمپ میں تلاطم کوئی کہتا ہے چلو نکلو خیمہ
گرتا ہے۔ کوئی پکارتا ہے بھاگو اگر بھاگنے کا راستہ نکلے۔ کوئی چوب
خیمہ تھامے اپنی حالت کا نوحہ خواں۔ ہوا کہتی ہے آج میرے زور و
قوت کا امتحان ہے کمی کیوں کروں۔ ابر گرج کر کہتا ہے آج میری بن آئی
ہے جل تھل کیوں نہ بھر دوں۔ میرے خیمے کے شامیانے میں ٹخنے ٹخنے پانی

میخیں اُکھڑیں طنابیں ڈھیلی ہوئیں شامیانہ گرا۔ گرا تو میرے خیمہ کے پہلو میں یا مظہر العجائب چوبیں اور طنابیں معہ فرنیچر غائب۔

میں اُسی حالت میں باہر نکلا اور اپنے ہمراہیوں کی ناقابل برداشت تکلیف پر نہ صرف متاثر ہوا بلکہ ان کی تکلیفوں کا شریک ہوا۔ خبر آئی کہ فلاں خیمہ گر کر زمیں دوز ہوا۔ فلاں ڈیرہ گر گیا اُس میں کچھ آدمی دب گئے۔ غرض چار گھنٹے کامل نہ ہوا نے دم لیا نہ ابر نے موسلا دھار پانی برسا گیا۔ ہوا زور شور سے چلا کی۔ اسی حالت میں صبح کی۔

(یکم اسفندار ۱۳۳۱ف ۴۔ جمادی الاوّل ۱۳۴۰ھ ۳۔ جنوری ۱۹۲۲ء سہ شنبہ)

آج میں نے سویرے باہر آکر شب کے مصیبت زدوں کو انعام تقسیم کیا ہوا نہایت تیز اور سردی۔ رات کا سماں آنکھوں میں پھر رہا ہے۔ ابر چھایا ہوا ہے۔ بھیگے ہوئے سامانوں کو باہر نکلوا کر پھیلایا گیا۔ دس گیارہ بجے دھوپ نکلی مگر ہوا میں کمی نہیں وہی تیزی وہی سردی۔ شب کی بارش سے زمین کی رونق ضرور بدل گئی ہے۔ جھاڑیوں اور سوکھی ہوئی گھانس پر جو گرد جم گئی تھی۔ وہ دُھل گئی۔ وسیع اور کشادہ جنگل کی تر و تازگی سے آنکھوں میں طراوت دل میں فرحت پیدا ہوتی تھی۔ رزاق حقیقی نے غریب بے زبان چوپایوں کے لئے طرح طرح کی جڑی بوٹیوں اور گھانس کا دستر خوان بچھا دیا ہے۔ گائے بھینس بھیڑ۔ بکریاں اور مختلف چوپائے من مانی مرادیں پاکر خوشی کے ساتھ چر رہی

ہیں۔ اور کلیلیں کر رہی ہیں۔ نظر فریب نظارہ آنکھوں میں کھبا جاتا ہے۔

دو بجے کی ٹرین میں غبار صاحب بلدہ سے آئے۔ میں چار بجے اسٹیشن پر اس لئے آیا کہ بلدہ جاؤں اور نیوایر کے موقع پر کنگ کوٹھی کے ڈنر میں شریک ہوں۔ میجر عظمت اللہ شاہ صاحب مہتمم پولیس محبوب نگر بہادر دل خاں غبار صاحب میرے ہمراہ تھے۔ غبار صاحب نے بلدہ کی بارش کا ذکر اس عنوان سے کیا کہ شب کی یہاں کی طوفانی بارش کا سماں آنکھوں میں پھر گیا۔ ڈبہ میں بیٹھا اور چار بجے ۵ منٹ پر ہماری گاڑی بلدہ کی طرف روانہ ہوئی میرے ہمراہ برادر خواجہ پرشاد۔ خواجہ نصر اللہ۔ خواجہ اسد اللہ سلمہم اللہ اور اُن کے ہمراہی اور بہادر دل خاں تھے۔ عمدہ نگر پر جب ہماری گاڑی پہنچی بارش ہو رہی تھی۔ میں نے غبار صاحب کو تار دیا کہ یہاں بارش ہو رہی ہے بچوں کو اور محلات کو فوراً ڈاک بنگلہ میں پہونچاؤ اور وہاں کی نگرانی رکھو۔ پونے چھ بجے فلک نما کی اسٹیشن سے بسواری موٹر اپنی ڈیوڑھی میں پہونچا۔ اور وقت مقررہ پر ڈنر میں شریک ہونے کے لئے موٹر میں سوار ہو کر کنگ کوٹھی پہونچا۔ ڈنر میں عہدہ داران و اُمراسے حسب ذیل شریک تھے۔

صاحب عالیشان آنریبل ایس جی ناکس صاحب رزیڈنٹ۔

فرسٹ اسسٹنٹ رزیڈنٹ۔ لیڈی گورنر بمبئی۔ نواب فخر الملک بہادر نواب خان خاناں بہادر۔ کرنل افسر الملک بہادر۔ نواب سر فریدون الملک بہادر

نواب امین جنگ بہادر۔ نواب نظامت جنگ بہادر۔ راجہ فتح نواز ونت بہادر
مسٹر حیدری۔ نواب عثمان یار الدولہ بہادر۔ نواب اظہر جنگ وغیرہ وغیرہ
ساڑھے گیارہ بجے واپس ہو کر اپنی ڈیوڑھی میں آیا۔

(۲۔ اسفندار ۱۳۳۱ف ۵۔ جمادی الاول ۱۳۴۱ھ ۴۔ جنوری ۱۹۲۲ء چہارشنبہ)

حوائجِ ضروری سے فرصت پا کر معمولی کاموں سے فراغت پائی۔ سید
عبدالحسین منتظم انگریزی کا تار پہونچا جس میں اطلاع دی تھی کہ محلات اور بچے
وغیرہ ڈاک بنگلے میں خیریت سے ہیں۔ غبار صاحب وہیں نگراں ہیں۔ بارش نہیں
ہوئی اَلْحَمْدُ لِلّٰہ اطمینان ہوا۔ اور چلنے کی تیاری کی۔ ساڑھے گیارہ بجے
اسٹیشن فلک نما پر پہونچا۔ غبار صاحب کے نام تار دیا معتمد اسٹیٹ اسٹیشن پر موجود
تھے اُن کو ساتھ چلنے کا حکم دیا۔ اور بارہ بجے کی گاڑی میں شاگرد نگر کی طرف
روانہ ہوا۔ دو بجکر ۳۰ منٹ پر ہماری گاڑی شاگرد نگر کے اسٹیشن پر پہونچی
میجر عظمت اللہ شاہ۔ غبار صاحب عبدالحسین اسٹیشن پر موجود تھے گاڑی سے اُتر کر
اپنے کیمپ میں آیا۔

میں اپنی غیر موجودگی میں غبار صاحب کی اس فرماں پذیری سے بہت
خوش ہوا کہ وہ شب بھر سوئے نہیں کیمپ (جہاں تمام سامان میرا اور محلات کا
پھیلا ہوا تھا) اور ڈاک بنگلہ میں دونوں مقاموں کی پوری پوری حفاظت کی
کبھی وہ کیمپ میں آتے تھے اور تنہا چاروں طرف پھر کر پہرہ دینے والوں کو

ہوشیار رہنے اور نگرانی کرنے کی ہدایت کرتے تھے اور کبھی ڈاک بنگلہ میں آکر چاروں طرف کی حفاظت کرتے تھے۔ تمام شب اسی گردش سے آنکھوں میں گزار دی میرے خیمہ کے سامنے کا شامیانہ جو گر گیا تھا اور سوکھنے کے لئے میدان میں پھیلا دیا گیا تھا۔ دو بجے شب کے ڈاک بنگلہ سے پندرہ بیس نفر مزدوروں کو اپنے ساتھ لا کر ایستادہ کرایا یہ ابواب میری خوشنودی کا سبب ہوئے۔

۹ بجے صبح کے بچوں اور محلات کو کیمپ میں پہونچا دیا۔

(۳- اسفندار ۱۳۳۱ف ۷ جمادی الاول ۱۳۴۰ھ ۵- جنوری ۱۹۲۲ء پنجشنبہ)

ہوا تیز اور نہایت سرد ہے شبنم کی بارش ہو رہی ہے آسمان پر ابر کا جال پھیلا ہوا ہے میں حسب معمول ٹہلتا ہوا اسٹیشن پر آیا کچھ دیر ٹھہر کر واپس ہوا حکیم مرزا مہدی کاظمی آج چار بجے کی ٹرین میں بلدہ کو روانہ ہوئے چار بجے شام کے میں اسٹیشن پر آیا۔

میں نے اخبار میں پڑھا تھا کہ میرے مہربان نواب امین جنگ بہادر کو برٹش گورنمنٹ سے بلحاظ ان کی قابلیت اور پوزیشن کے سر کا خطاب ملا ہے۔ بیساختہ مادہ مخاطب بحق سر شدہ ۱۳۳۱ ذہن میں آیا۔ حساب جو کیا تو پورے تیرہ سو اکتیس ۱۳۳۱ تھے۔ واپس آکر میں نے اس پر مصرع لگائے۔ وہ قطعہ ضیافت طبع ناظرین کے لئے درج ذیل ہے۔

قطعۂ تاریخ حصولِ خطاب بہ نواب امین جنگ بہادر

امین جنگ صدر المہامِ نظام	کہ ہستند خاص از محبّان شاد
خطابے سری یافت بے سعی و جہد	سرافراختہ قدر او شد زیاد
بود تا بہ گیتی نشانِ سراں	سرے فرخش باد و مسعود باد
ہمیں بود دائم دعائے دلم	کہ حاصل شود ہر چہ دارم مراد
دُعایم بدرگاہ حق شد قبول	سپاسش کنم کز سرے پایہ داد

پئے سال تاریخ فرخ خطابُ
مخاطب بحق سر شدہ ۔ گفت شاد
۱۳۳۱ ف

(۴ ۔ اسفندار ۱۳۳۱ف ۔ ۷ جمادی الاوّل ۱۳۴۰ھ ۔ ۶ ۔ جنوری ۱۹۲۲ء جمعہ)

گرم خبر ہی کہ آج اعلحضرت کی شادنگر میں رونق افروزی ہوگی۔ کیمپ کے انتظام کے متعلق ضروری احکام دیئے۔ میجر عظمت اللہ شاہ صاحب۔ غبار صاحب معتمد اسٹیٹ میرے ہمراہ ہیں۔ میر عبد العلی۔ میر حیدر علی میرے خلیرے بھائی اپنی جاگیر سے آئے ہیں ان سے ملا۔ انتظامات کو دیکھتا ہوا واپس آیا۔ آج دو بجے کی ٹرین میں گلزار علی شاہ صاحب تماپور سے میری ملاقات کو آئے آج بھی کسی وجہ سے سواری نہیں آئی۔ تار کے ذریعہ سے اطلاع ملی ہی کہ دوشنبہ کو تشریف آوری ہوگی۔

(۵۔ اسفندار ۱۳۳۱ف ۸۔ جمادی الاوّل سنہ ۱۳۴۰ھ ۷۔ جنوری سنہ ۱۹۲۲ء شنبہ)

آٹھ بجے باہر آیا۔ پولیس اضلاع اور راجہ پلٹن نے سلامی دی غبار صاحب کے کاغذات واپس کئے۔ غبار صاحب نے اپنے دفتر کے خوشنویس (امام خاں) کو اس جرم پر معطّل کرکے اُس کے بھتے بند کرنے کا حکم جاری کیا کہ اُس نے ایک سفارشی مسودہ چھیل کر اُس کا مبیضہ کرکے میرے دستخط کے لئے پیش کیا تھا وہ اپنے اس فعل سے سخت سزا کا سزاوار تھا۔ لیکن اُنھوں نے اُس کو معطّل کرکے اُس کی برطرفی میرے حکم پر منحصر رکھی چنانچہ اُس کو برطرف کرکے کیمپ سے نکال دیا گیا۔ آج دو بجے کی ٹرین میں حافظ غلام خاکسار روضہ خلد آباد سے آئے۔ ان کی عمر اس وقت ۹۸ برس کی ہے۔ مہاراجہ چندولعل بیکنٹھ باشی کے دربار کے بیٹھے ہوئے شخص ہیں۔ مگر باعتبار قویٰ کے ستّر برس سے زیادہ نہیں معلوم ہوتے۔ شام کے چار بجے حسب معمول اسٹیشن پر گیا غبار صاحب سے بہت دیر تک باتیں کرتا رہا۔

آفتاب نے اپنی دن بھر کی مسافت طے کرکے مغرب کی طرف جھک کر اپنی زرد زرد دُھوپ سے کھلے ہوئے جنگل میں ایک ایسی دلفریبی پیدا کردی ہے جو نظر کو اپنی طرف کھینچ رہی ہے اور صانع قدرت کی دلکش سبزی میں ایک تازہ رُوح پھونک دی ہے قریب شام میں واپس آیا۔

(۶۔ اسفندار ۱۳۳۱ف ۹۔ جمادی الاوّل سنہ ۱۳۴۰ھ ۸۔ جنوری سنہ ۱۹۲۲ء یکشنبہ)

آج ہوا کے تیز جھونکے کلیجوں کو ہلا رہے ہیں۔ آسمان پر ابر چھایا ہوا ہے ابر کے
پردہ میں آفتاب اپنا منہ چھپائے ہوئے ہے۔ سات بجے باہر آکر سڑک پر ٹہلنے لگا۔
برخوردار خواجہ پرشاد۔ خواجہ نصر اللہ طولعمرہٗ معتمد اسٹیٹ اور غبار صاحب میرے
ساتھ تھے۔ کیمپ کی سڑک پر کچھ دیر چہل قدمی کر کے اسٹیشن پر آیا۔ تھوڑی دیر
کے بعد میجر عظمت اللہ شاہ۔ غلام دستگیر صاحب سرکل انسپکٹر اور عبد اللطیف
صاحب انسپکٹر آئے۔ میجر صاحب چوں کہ برطانیہ کی طرف سے شریک جنگ رہ چکے
ہیں اس لئے بہت دیر تک جنگ جرمن و برطانیہ کے متعلق گفتگو کرتے رہے۔
وہاں سے واپس ہوا۔ کچھ بہروپئے آئے ہوئے تھے اُن کے حرکات و سکنات
سے دل بہلاتا رہا۔ اس کے بعد کھانے سے فارغ ہو کر حسب عادت قیلولہ کیا
ساڑھے چار بجے ٹہلتا ہوا اسٹیشن پر گیا۔ غبار صاحب سے باتیں کرتا رہا کہ میجر
عظمت اللہ شاہ صاحب بھی آ گئے۔ وہاں ریل کی پٹری پر ٹرالی کھڑی تھی
قصد ہوا کہ اُس پر بیٹھ کر ہوا خواری کروں چنانچہ اُس کے دھکیلنے والوں کو
بلوایا گیا۔ ٹرالی پر مع برخوردار خواجہ پرشاد۔ خواجہ نصر اللہ۔ خواجہ اسد اللہ
طالعمرہم۔ کریم الدین امین پولیس اور ایک اتالیق سوار ہوئے۔ اور بالاپور کی
طرف روانہ ہوئے دو میل تک جا کر واپس آیا۔ میری واپسی تک میجر عظمت اللہ
شاہ اور غبار صاحب اسٹیشن ہی پر موجود تھے دیر تک اُن سے باتیں کرتا رہا
۶ بجے اسٹیشن سے واپس آیا۔

(۷- اسفندار ۱۳۳۱ف ۱۰ جمادی الاوّل ۱۳۴۰ھ ۹ جنوری ۱۹۲۲ء دوشنبہ)

حسب معمول ۸ بجے اسٹیشن پر گیا۔ ابر غلیظ آسمان پر چھایا ہوا ہی ہوا سرد چل رہی ہی۔ چوں کہ آج پھر اعلحضرت کی تشریف آوری کی گرم خبر ہی کیمپ کے انتظام کے متعلق ضروری احکام جاری کئے۔ پلیٹ فارم اور اسٹیشن کے وراندے میں فرش بچھایا جا رہا ہی کمانیں تیار ہو چکی تھیں۔ روشنی کا بھی انتظام کیا جا چکا ہی۔ اس موقع کے لئے دو رباعیاں لکھکر کپڑے پر جلی قلم سے لکھکر ایک رباعی اسٹیشن کے بالائی حصہ پر اور دوسری مہتابی کے سامنے لگائی گئی۔ وہ رباعیاں یہ ہیں۔

رباعی

اس شاد نگر میں شاہ جم جم آئیں
ہر سال ہمیشہ اور ہر دم آئیں
عزّت ہی ترے لئے تو ہے موجب فخر
جب آئیں حضور شاد و خرّم آئیں

دیگر

کیا حال پہ میری فضل یزدانی ہے
فضل یزدانی لطف سلطانی ہی
سرکار کی اے شاد سواری آئی
حاصل تجھے پھر عزّت مہمانی ہی

تین بجے اطلاع ملی کہ آج بھی حضور اقدس و اعلیٰ کی سواری نہیں آئے گی۔

نازک مزاج شاہاں تاب سخن ندارد

بادشاہوں کے مزاج عالی اور نازک طبعی کی اسی طرح نباہ نہیں جیسے پر جوش

اور ناپیدا کنار سمندر کی کوئی تھاہ نہیں۔ اُس کی لہروں میں بھی یہ طاقت ہے کہ شکستہ تختوں کو جن پر کچھ انسانی ہستیاں اُمید و بیم کی حالت میں ہوتی ہیں انھیں ایک پلک جھپکنے میں کبھی پار لگا دیں اور کبھی آن کی آن میں بھرے پرے مستحکم سے مستحکم فولادی قلعوں (جہاز) کو جب چاہیں تحت الثریٰ تک پہنچا دیں جن کا پھر نشان کبھی نہ ملے۔ بعینہٖ یہی حال بادشاہوں کے مزاج کا ہے جن کی بابتہ ایک مشہور فلسفی چھ سو برس پہلے کہہ گیا ہے کہ "گاہے بسلامے برنجند و گاہے بدشنامے خلعت دہند"

آج کل بھی گو تعلیم و روشن خیالی نے زمانہ کو جگمگا رکھا ہے۔ مگر شاہانہ مزاج شاہانہ مزاج ہے۔ انسان کو اپنی ہستی کو نہ بھولنا چاہیئے اور ہمیشہ بادشاہوں کے مزاج سے خائف رہنا چاہیئے۔ بہت نادان ہیں وہ لوگ جو اپنے چار دن کے چاؤ اور عارضی رسوخ پر یہ سمجھ بیٹھتے ہیں کہ بس مزاج شاہ سے مستغنی ہیں۔ توبہ توبہ۔ آگ اور پھوس میں کیا محبت۔ آسمان و زمین میں کیا ملاپ فقیر اور بادشاہ کی کیا برابری جس کی نگاہوں کو ایک زمانہ دیکھتا ہو۔ جس کی جنبش ابرو تلوار کا حکم رکھتی ہو۔ اس سے بے پروا ہو جانا عقلمندی کے خلاف ہے۔ حاکم و محکوم کا کیا اخلاص جب تک تابعداری ہے حاکم ہے آقا آقا ہے۔ اور شاہ شاہ ہے اُس کا فرمان ہر شخص کے لئے واجب التعمیل ہے۔

آج دو بجے کی ٹرین میں پرلھادرا و منجم اور رنگدھام انجینیر سید عبد الحسین

منتظم انگریزی۔ ڈاکٹر محمد حسین بلدہ سے اور غیاث الدین تعلقدار پر تور۔ پرتور سے شاد نگر آئے۔

آج چار بجے سے ابر کے تیور پھر کچھ بدلے ہوئے نظر آتے ہیں دوش ہوا پر چڑھ کر اٹھکھیلیاں کر رہا ہے۔ قمری مہینے کی دسویں تاریخ ہے مگر چاند ابر کی سیاہ کملی میں چھپا ہوا نہیں معلوم کس گوشہ میں پوشیدہ ہے۔ تیرگی غالب ہے۔ شام ہی سے کچھ ترشح ہو رہا ہے غنیمت ہے کہ ہوا تیز نہ تھی۔ اور پانی بھی رحم کے ساتھ زمین پر آتا تھا۔ تاہم مارگزیدہ از ریسمان پیچیدہ می ترسد۔ ہر شخص بجائے خود لرزاں و ترساں تھا کہ دیکھئے آج کیا مصیبت نازل ہوتی ہے بارے بخیر گزشت ایک بجے تک ترشح رہا۔ بعد ازاں موقوف ہو گیا اور خیر و عافیت کے ساتھ رات بسر ہو گئی۔

(۸۔ اسفندار ۱۳۳۱ف ۱۱ جمادی الاوّل ۱۳۴۰ھ ۱۰ جنوری ۱۹۲۲ء سہ شنبہ)

ابر سیاہ پھیلا ہوا ہے آسمان کی نیلی چادر بادلوں کے نمایشی رنگ میں رنگی ہوئی ہے۔ ہوا تیز نہیں مگر سرد ہے۔ خیمے ڈیرے پانی سے بھیگے ہوئے ہیں۔ میں حسب معمول ۸ بجے اپنے خیمہ سے باہر نکل کر اسٹیشن پر گیا۔ اور ایک تار لچھمن راؤ کو دیا کہ سرکار کی سواری سے خبر دے۔ ایک ریلوے ڈبہ میں جا کر بیٹھا۔ میجر عظمت اللہ شاہ آئے۔ اُن سے ملا۔ اِس کے بعد غبار صاحب آئے اور بہادر دل خاں کے پاس اعظم گلشن میں جانے کی اجازت حاصل کر کے

وہ اُس طرف گئی۔ مولوی محمد علی صاحب ناظم کوتوالی اضلاع آئے اُن سے ملاقات کی۔ نواب اظہر جنگ بہادر نے بذریعۂ تار اطلاع دی کہ اعلیحضرت نے جمعہ کو اپنی تشریف آوری کی آپ کو اطلاع دینے کے لئے مجھے حکم دیا ہے۔ اسٹیشن سے واپس آیا۔ ساڑھے چار بجے کیمپ کی سڑک پر چہل قدمی کرتا رہا۔ رنگدھام انجینیر نے میرے بلڈنگ اور بازار کا نقشہ دکھلایا جو بعنایت الٰہی تیار ہونے والا ہی۔ اس کے بعد میں اسٹیشن پر گیا۔ غبار صاحب میرے ہمراہ تھے۔ بہت دیر تک اُن سے باتیں کرتا رہا۔ سات بجے وہاں سے واپس ہوا۔

(۹۔ اسفندار ۱۳۳۱ف ۱۲۔ جمادی الاوّل ۱۳۴۱ھ ۱۱۔ جنوری ۱۹۲۳ء چہارشنبہ)

حسب معمول ۸ بجے باہر آکر اسٹیشن پر جاکر ایک رزرو ڈ ڈبہ میں جو تین دن سے موجود تھا بیٹھا۔ مولوی محمد علی ناظم پولیس آگئے تھے بہت دیر تک اُن سے باتیں کیں۔ اور واپس آیا مسٹر رنگدھام انجینیر نے آج پھر وہ نقشہ پیش کیا جو اسٹیشن پر میرے بلڈنگ و پائیں باغ اور بازار کے متعلق کل پیش کیا تھا۔ بہت دیر تک اس بارہ میں اُن سے گفتگو کرتا رہا۔

پندرہ بیس برس پہلے ایک بازار ہر سہ شنبہ کو میری جاگیر تعلقہ فرخ نگر میں لگا کرتا تھا جس میں ہر قسم کی اشیاء اور مایحتاج زندگی کی خرید و فروخت ہوتی تھی۔ اِس بازار کی اِس درجہ رونق بڑھ گئی تھی کہ دُور دُور سے لوگ آ آکر خرید و فروخت اور آٹھ دن کا سرمایہ اپنے خاندان بھر کے خورونوش کا جمع کرتے تھے۔

کوئی چیز ایسی نہ تھی جو اِس بازار میں مُیسّر نہ ہوتی ہو۔

اعظم علی خاں قایم خانی نے جو ایک غیر معمولی ذہانت و فطرت کا شخص تھا اور جس نے اپنے قوّت بازو سے بہت سی زمینوں اور لوگوں کے مقطعوں پر حریفانہ قبضہ کرکے اپنی ناموری کو اس قدر شہرت دی کہ دُور دُور تک کے سرکش و متمرد اُس کے نام سے کانپتے تھے۔ روہیلوں اور عربوں کی مدد سے نمایاں ترقی کی اور ہر قسم کا سامان فراہم کرکے اپنی قوّت بازو سے ایک متوسط درجہ کا امیر بن گیا ایک باغ اعظم علی خاں نے لگایا جس کا نام اعظم گلشن رکھا۔ اس باغ میں ہر قسم کے میوہ جات اور ہر قسم کے پھل پھول بکثرت پیدا ہوتے ہیں۔ اور بہت وسیع اور خوشنما ہی۔ رقبہ اِس باغ کا تقریباً چار میل مربع ہی۔ اس میں متعدد مکانات جن کے نام بھی جُدا جُدا ہیں۔ امیر محل۔ سرد محل وغیرہ عربی شان کے بنے ہوئے ہیں۔ ہر مکان ضروری فرنیچر سے آراستہ تھا اور اب تک آراستہ ہی۔ انھیں کے فرزند بہادر دل خاں ہیں جن کا نام اس روزنامچہ کی ہر تاریخ میں آیا ہی۔

اعظم علی خاں نے اِس بازار کو فرخ نگر سے سردار نگر میں منتقل کیا اور اُس کو اپنے زور و جبر سے رونق دی۔ اُسی زمانہ سے سردار نگر کا بازار مشہور ہوگیا جو ہر سہ شنبہ کو ہوتا ہی۔ چوں کہ اُن کے وارث و جانشین بہادر دل خاں۔ ان کی تعلیم علمی اگرچہ معمولی ہی۔ مگر سوسائٹی کے بیٹھنے والوں میں ہیں نئی روشنی کے نوجوانوں سے اکثر ان کی مجالست رہی اور ہی۔ اِس لئے اُن کے دل و دماغ اُن چیزوں کی

نگہداشت بھی نہیں کر سکتے جو ان کے والد چھوڑ گئے ہیں اور جس کو اُنھوں نے اپنی قوتِ بازو اور حسن تدبیر سے مُہیّا کی تھیں چنانچہ یہی باغ جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے اور جو اس اطراف میں اپنی خوشنمائی اور تر و تازگی کے لئے اپنی یکتائی میں ایک مانا ہوا بے نظیر باغ ہے۔ آج وہی باغ ہے جو اپنی بہار کو نذر خزاں کر رہا ہے۔ نگہداشت نہ ہونے کی وجہ سے میووں کے درخت خشک ہوتے جاتے ہیں۔

بہرحال فرخ نگر میں جب سے میری آمد و رفت کا سلسلہ پڑا تو میں نے سب سے پہلے اپنے ہنگامی قیام کے لئے اسٹیشن کے قریب ایک بنگلہ کی بنیاد ڈالی جو زیر تعمیر ہے۔ بعد اس کے معتمد اسٹیٹ کو حکم دیا کہ بدستور سابق یہاں بازار آباد کیا جائے۔ چنانچہ اس بازار کی تحریک صدر ناظم طالب الحق صاحب مرحوم کے زمانہ میں ہو چکی تھی۔ مگر افسوس کہ اُن کی بے وقت موت نے اُن کے ہاتھوں سے تکمیل کو نہ پہونچایا۔ اُسی کا نقشہ رنگ ڈھام نے پیش کیا ہے جس کا ذکر اوپر کے سطروں میں کر آیا ہوں۔ ساڑھے گیارہ بجے برخاست کر کے زنانے میں گیا۔ کھانے وغیرہ سے فارغ ہو کر حسب عادت قیلولہ کیا ڈھائی بجے اطلاع ملی کہ نواب اظہر جنگ (غیاث الدین) اعلیحضرت کے پاس سے آئے ہیں۔ میں نے اُن کو مہتابی میں بٹھوایا۔ اور کپڑے پہن کر باہر آ کر اُن سے ملا۔ میں اپنے آقائے ولی نعمت بادشاہ دکن کی اس بندہ نوازی کا دل سے اثر لے کر منت گذار ہوا

کہ باوجود وعدہ فرمانے اور دن مقرر کرنے کے جو وجوہات مانع نہضت فرمائے تھے مجھے ان سے مطلع فرماکر ارشاد فرمایا ہی کہ جمعہ کو ضرور آؤں گا۔

چوں کہ آج ہی تین بج کے پانچ منٹ پر بازار کی بنیاد قایم کرنے کی منجمانہ حساب سے نیک مہورت یعنی ساعت تھی جس کے لئے میرے وارث برخوردار خواجہ پرشاد طولعمرہٗ نے میری جانشینی کی اہم خدمت کو انجام دیا۔

بلرام شاستری اور دیگر برہمنان ورعایائے فرخ نگر جن میں سیٹھ ساہوکار وغیرہ تقریباً سوڈیڑھ سو اشخاص موجود تھے۔ راجہ طولعمرہٗ اپنے بھائیوں خواجہ نصراللہ وخواجہ اسداللہ سلمہم اللہ تعالیٰ کی معیت میں اپنے خیمہ سے برآمد ہو کر اس مقام پر آئے جہاں برہمنوں کا مجمع تھا اور جہاں سنگ بنیاد نصب ہونے والا تھا سید صادق حسین غبار معتمد اسٹیٹ۔ حافظ عبدالرحیم تحصیلدار۔ رنگ دھام انجنیر اور نیز دیگر عمال تحصیل۔ اور جوانان راجہ پلٹن وجوانان پولیس وغیرہ کمربستہ حاضر تھے برہمنوں نے گنیش کی پوجا کی منتر پڑھے۔ باجہ نوازوں نے سلامی کا باجا بجاکر مبارک باد دی۔ طوائف آرتی گانے لگیں۔ راجہ طولعمرہٗ کے عقب میں اُن کے ملازمین اور ہنمنت راؤ محاسب جیب خاص تھے برہمنوں کی ہدایت کے موافق راجہ طولعمرہٗ کے ہاتھ سے ہنمنت راؤ نے پوجا کرائی اور اس بنیاد میں جس میں پتھر نصب کیا جارہا تھا دودھ وغیرہ ڈالا گیا۔ بعد اس کے معمار (اوڑ) کے ہاتھ سے وہ پتھر نصب کیا گیا۔ راجہ طولعمرہٗ نے برہمنوں کی آرتی میں روپے

ڈلے اور ملازمین کو انعام تقسیم کیا۔

(۱۰۔ اسفندار ۱۳۳۱ف ۱۳۔ جمادی الاوّل ۱۳۴۰ھ ۱۲۔ جنوری ۱۹۲۲ء پنجشنبہ)

آج موسمی صبح کا سماں نہایت خوشگوار اور دلکش ہے۔ مشرق کی طرف سونے کا ایک سرخ تھال نظر آرہا ہے جو صانع بےمثل کی صنعت کا بےمثل نمونہ ہے۔ کرنیں پھیل پھیل کر اُس کھلے جنگل کے سبزہ اور سبز بوٹیوں کی پتی پتی پر سنہرا پوڈر چھڑک رہی ہیں۔ میں حسب معمول آٹھ بجے باہر آکر پہلے چہل قدمی کرتا ہوا اسٹیشن کی طرف گیا وہاں سے فوراً واپس آیا حد نظر تک وسیع جنگل کا کھلا ہوا دلکش منظر پیش نظر تھا ہوا خوشگوار تھی دھوپ زمین کی پستی و بلندی پر اپنا قبضہ کرتی جاتی تھی اسی اثنا میں غبار صاحب آئے اُن کے ہاتھ میں اُس وقت اُردو دیوان غالب تھا جو نظامی پریس بدایوں کا پاکٹ ایڈیشن تھا۔ دیر تک مرزا نوشہ (غالب) کی قادر الکلامی اور بلندی خیالات سے دلچسپی لیتا رہا۔ غالب کی ہستی اُن چیدہ اور بزرگ تر ہستیوں سے ہے جن کا وجود ابدی ہے۔ وہ ایک غیر معمولی طور پر ذکی الطبع فلسفی اور ایک بلند پایہ شاعر تھے جس کے قصائد انوری و خاقانی کے قصائد سے ٹکراتے ہیں جس کی غزلیات عرفی و طالب کی غزلیات سے وزنی ہیں جس کی رباعیات فارسی میں عمر خیام کی رباعیات سے گراں قدر ہیں جس کی نثر ابو الفضل و ظہوری کی نثر سے زیادہ شاندار ہے۔ وہ حسن حقیقت کا پرستار ہے اور زندگی کے مختلف ترانوں کا مغنی۔ اگر وہ ایک طرف آتش سیال اور دو آتشہ پانی کی تعریف میں نغمہ سرائی

کرتے ہیں تو دوسری طرف فلسفہ کی دقیق اور اہم ترین مسائل کی گتھیوں کو سلجھا رہے ہیں چنانچہ وہ خود فرماتے ہیں ؎

یہ مسائلِ تصوف یہ ترا بیان غالبؔ
تجھے ہم ولی سمجھتے جو نہ بادہ خوار ہوتا

تعمق خیال۔ بے عیب طرز۔ وسعت نظر۔ عالمگیر ہمدردی۔ یہ تمام خوبیاں غالبؔ کی نظم و نثر میں کوٹ کوٹ کر بھری ہیں۔ مرزا غالبؔ کا کلام۔ توحید تصوف حکمت۔ فلسفہ۔ عبرت۔ بے ثباتیِ دُنیا۔ خودداری۔ جذبات حُبّ الوطنی ارتقا۔ تناسخ۔ وحدت الوجود وغیرہ مسائل اور راز فطرت کے بہت سے اسرار کا گنجینہ ہے۔ اِن مسائل کے اظہار کے لئے مرزا غالبؔ شارع عام پر چلنا پسند نہیں کرتے۔ اور عامیانہ خیالات اور محاورات سے حتی المقدور اجتناب کرتے نظر آتے ہیں۔ عام فہم اشعار کہنے سے اسے کہیں زیادہ پسندیدگی کی نظر سے دیکھتے ہیں کہ اُن کے طرز خیالات اور طرزِ بیان میں ایک جدت اور نرالا پن پایا جائے اور یہ کہنا کسی طرح غلط نہیں ہے کہ مرزا اُردو شاعری میں اپنے طرز کے موجد تھے۔ اِن کے زمانہ کے شعرا کا ایک گروہ ان کی مشکل پسندی کے باعث ان کی شاعری کا قائل نہ تھا جس کے لئے وہ ایک جگہ فرماتے ہیں ؎

یارب نہ وہ سمجھے ہیں نہ سمجھیں گے مری بات
دے اور دل اُن کو جو نہ دے مجھکو زباں اور

کس عمدہ پیرائے میں اپنے معاصرین کی نافہمی پر چوٹ کی ہے۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ مرزا غالب کے کلام میں سادگی اور صفائی کا عنصر کافی حد تک موجود ہے

ابنِ مریم ہوا کرے کوئی
میرے دکھ کی دوا کرے کوئی

بات پر واں زبان کٹتی ہے
وہ کہیں اور سنا کرے کوئی

بک رہا ہوں جنوں میں کیا کیا کچھ
کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی

نہ سنو گر برا کہے کوئی
نہ کہو گر برا کرے کوئی

روک لو گر غلط چلے کوئی
بخش دو گر خطا کرے کوئی

جب توقع ہی اٹھ گئی غالب
کیوں کسی کا گلہ کرے کوئی

ہوس کو ہے نشاطِ کار کیا کیا
نہ ہو مرنا تو جینے کا مزا کیا

دل ہر قطرہ ہے سازِ انا البحر
ہم اس کے ہیں ہمارا پوچھنا کیا

دردِ منت کشِ دوا نہ ہوا
میں نہ اچھا ہوا برا نہ ہوا

کیا وہ نمرود کی خدائی تھی
بندگی میں مرا بھلا نہ ہوا

تصوف میں بھی مرزا کا بہت بلند مرتبہ ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ بہت سی دشوار گزار منزلیں طے کر چکے ہیں جس جگہ اوروں کا مذہب انتہا کو پہنچتا ہے

وہاں حضرت غالب کا مذہب شروع ہوتا ہے

ہے غیب غیب جس کو سمجھتے ہیں ہم شہود	ہیں خواب میں ہنوز جو جاگے ہیں خواب میں
اصل شہود و شاہد و مشہود ایک ہے	حیراں ہوں پھر مشاہدہ ہے کس حساب میں

(۱۱- اسفندار ۱۳۳۱ف ۱۴- جمادی الاول ۱۳۴۰ھ ۱۳- جنوری ۱۹۲۲ء جمعہ)

غبار صاحب کو کمیٹی کے متعلق کاغذات پیش کرنے کے لئے احکام جاری کئے اور حکم دیا کہ اکرام علی کو اُن کی عدول حکمی، تمرد اور خود اختیاری حکومت پر معتمدی سے معزول کرنے کی دفتر اسٹیٹ۔ تعلقدار پرتور تعلقدار الوال کو اطلاع دی جائے اور مددگار معتمد عبد السلام کو جو دفتر پیشکاری پر مقرر ہیں منصرمانہ معتمدی کا کام کرنے کے لئے احکام جاری کئے جائیں۔ دو بجے کی ٹرین میں شیخ محمد حسین میری جاگیر کے مہتمم پولیس بلدہ سے آئے۔

(۱۲- اسفندار ۱۳۳۱ف ۱۵- جمادی الاول ۱۳۴۰ھ ۱۴- جنوری ۱۹۲۲ء شنبہ)

حسب معمول آٹھ بجے باہر آکر شیخ محمد حسین مہتمم پولیس سے ملا۔ دو بجے کی ٹرین میں حکیم مقصود علی خاں جو میرے اُستاد علم تصوّف حکیم منصور علی خاں مرحوم کے فرزند ہیں بلدہ سے آئے۔ چار بجے میں نے اُن سے ملاقات کی ابھی میں اُن سے باتیں کر رہا تھا کہ پانچ بجے چوبدار دوڑتا ہوا آیا اور گھبرائے ہوئے لہجے میں آقائے ولی نعمت اعلیحضرت کی سواری کی اطلاع دی۔ میں فوراً اُٹھا اور تیار ہو کر باہر آیا۔ سواریِ مبارک آچکی تھی۔ آداب قدمبوسی بجا لایا حضرت کے

ہمرکاب شاہزادگان والاتبار۔ وشاہزادیان بلند اقتدار۔ ومحلات مبارک میجر عثمان یار الدولہ نواب اظہر جنگ۔ اور حبیب ابوبکر بن شہاب تھی۔ پانچ بجنے کو پانچ منٹ باقی تھے جب سواری مبارک رونق افزائے شادنگر ہوئی۔ اور چھ بجکر پانچ منٹ آئے تھے جب سواری مراجعت فرمائے دارالسلطنت ہوئی۔ گویا ایک گھنٹہ رونق افروزی رہی۔

(۱۳۔ اسفندار ۱۳۳۱ف ۱۶۔ جمادی الاول ۱۳۴۰ھ ۱۵۔ جنوری ۱۹۲۲ء یکشنبہ)

صبح کو حوائج ضروری سے فارغ ہوکر آٹھ بجے باہر آیا اور اسٹیشن کی طرف گیا وہاں سے جلد واپس ہوکر اپنے خیمہ میں آکر بیٹھا اور حکیم مقصود علی خاں صاحب سے ملا اور بہت دیر تک اُن سے باتیں کرتا رہا۔

غبار صاحب نے اطلاع دی کہ رعایائے فرخ نگر خواجہ بازار کی مُبارک بنیاد قایم ہونے پر نذریں پیش کرنے کی آرزومند ہے اس اطلاع پر چار بجے دربار مُرتب کرنے کا حکم دیا۔ چار بجے کی ٹرین میں حکیم مقصود علی خاں اور شیخ محمد حسین مہتمم پولیس بلدہ کو روانہ ہوئے۔ چوں کہ بمتابعت حکم حضور اقدس واعلی اکل میں کیمپ کو برخاست کرکے بلدہ جانے والا ہوں اس لئے میں نے اپنا بہت سا سامان چار بجے کی ٹرین میں روانہ کرنے کا حکم دیا۔

چار بجے میں اُن ڈبوں کے معائنہ کے لئے اسٹیشن پر گیا جو اعلحضرت کے حکم سے میرے لئے شاہی اسپشل سے آئے تھے جن میں ایک سیلون اور تین

سکنڈ کلاس تھی میں نے اُن ڈبّوں کا معائنہ کیا میں ابھی اسٹیشن ہی میں تھا کہ غبارؔ صاحب نے ایک چھوٹا پارسل پیش کیا جو سید ولی الدین صاحب نے کلبانی ضلع گلبرگہ شریف سے بھیجا تھا اُس کو کھولا سید صاحب نے برخوردار خواجہ پرشاد طول عمرہٗ و قدرہٗ کے لئے اُن کے مانوگرام کے بٹن بنوا کر بھیجے تھے اسٹیشن سے واپس آکر خیمے میں آیا نذریں لیں اور برخاست کرکے زنانہ میں گیا۔ غبارؔ صاحب کے پیش کئے ہوئے کاغذات متعلقۂ کیمپ معائنہ کئے۔

(۱۴۔ اسفندار ۱۳۳۱ف ۱۷۔ جمادی الاوّل ۱۳۴۰ھ ۱۶۔ جنوری ۱۹۲۲ء دوشنبہ)

آج میں اپنے کیمپ کو برخاست کرکے بلدہ کو روانہ ہونے والا ہوں غبارؔ صاحب کو روانگی کے متعلق احکام دیئے گئے اور بعض کاغذات کیمپ اور ضروری اجرائیوں کے واپس کئے۔ ساڑھے تین بجے معہ زنانہ ڈبّوں میں آیا۔ چار بجے بلدہ جانے والی ٹرین میں میرے ڈبّے اٹاچ (attach) کئے گئے۔ تمام ہمراہی ڈبّوں میں بیٹھ گئے۔ چار بجکر ۲ منٹ پر ٹرین شادنگر سے روانہ ہوئی چونکہ آج مجھے بلدہ پہونچنا منظور نہیں اس لئے اسٹیشن تمّاپور میں اپنے ڈبّے علحدہ کرنے کا حکم دیا میرے ہمراہی بھی اُترے۔ اور شب کو ہم سب تمّاپور کے اسٹیشن پر مقیم رہے۔

(۱۵۔ اسفندار ۱۳۳۱ف ۱۸۔ جمادی الاول ۱۳۴۰ھ ۱۷۔ جنوری ۱۹۲۲ء سہ شنبہ)

حسب معمول ساڑھے سات بجے باہر آیا غبارؔ صاحب سیّد عبدالرحیم منتظم

کوتوالی اضلاع (جو اعلیحضرت مدظلہ العالی کی تشریف آوری کے لئے انتظاماً
یہاں مقیم ہیں) اور کریم الدین امین پولیس فتح نگر حاضر تھے میں ریل کی پٹری
پٹری چہل قدمی کرتا ہوا بہت دُور تک چلا گیا۔ برخوردار خواجہ پرشاد۔ خواجہ
اسد اللہ طالعمرہما میرے ہمراہ تھے تھوڑی دیر کے بعد برخوردار خواجہ
نصر اللہ بھی آکر مجھ سے مل گئے صحرا نوردی کرکے دس بجے واپس آیا اسٹیشن
میں بیٹھا۔ غبار صاحب۔ حکیم مرزا مہدی کاظمینی اور حسن اعلی موجود تھے علی بخش
قوال کی چوکی جو شاد نگر سے میری ہمراہی میں ہی غذائے رُوح کا سامان
مہیا کرنے کے لئے آیا تھوڑی دیر اُس کا گانا سنا۔ ساڑھے گیارہ بجے برخاست
کرکے اپنے ڈبے میں گیا پونے پانچ بجے بلدہ کو جانے والی ٹرین میں میرے
ڈبہ اٹاچ کئے گئے ہمراہی دوسرے ڈبوں میں بیٹھے اور ہم نشیب و فراز صحرا
کا منظر دیکھتے۔ کھلے جنگل کی تازہ ہوا کھاتے پانچ بجکر ۲ منٹ پر عمبر نگر
(شمس آباد) کے اسٹیشن پر پہونچے یہاں بھی میں نے اپنے ڈبے علیحدہ کرنے کا
حکم دیا میرے ہمراہی بھی اُترے حکیم مرزا مہدی کاظمینی اور حافظ غلام خاک
اجازت حاصل کرکے بلدہ کو روانہ ہوگئے آٹھ بجے شب کی لوکل میں سید
بُرہان الدین اوّل مددگار فیملی ڈاکٹر بلدہ کو روانہ ہوگئے یہ اسٹیشن بمقابلہ اور
اسٹیشنوں کے کسی قدر وسیع اور خوشنما ہے۔ اس میں دو ویٹنگ روم بھی ہیں اس
اسٹیشن کا دوسرا نام شمس آباد ہے۔ یہ سر آسمان جاہ مرحوم کی جاگیر کا ایک قصبہ ہے

اسٹیشن کے قریب ایک مسافر بنگلہ ہی۔ مسافرین کی آرام وآسائش کا تمام ضروری سامان بھی اُسی میں موجود ہی۔ اِس سے قریب ایک اور بنگلہ ہی جو بالکشن لچھمی داس سیٹھ نے بنوایا اور کسی مارواڑی کے ہاتھ فروخت کردیا ہی شب کو میں ڈبوں میں رہا باقی ہمراہی اسٹیشن میں مقیم رہی۔

(۱۷۔ اسفندار ۱۳۳۱ف ۱۹۔ جمادی الاول ۱۳۴۰ھ ۱۸ جنوری ۱۹۲۲ء چہار شنبہ)

سات بجے باہر آیا پلیٹ فارم پر نرسنگ پرشاد منصبدار ساکنہ شمس آباد سے ملا جو برادر نسبتی جوگی ناتھ راؤ سر رشتہ دار جوانان عرب کے ہیں۔

اِنھوں نے اپنے فرزند کشن پرشاد کو بھی پیش کیا نرسنگ پرشاد کی عمر اس وقت نوّے ۹۰ برس کی ہی مگر بلحاظ صحت و قوی جسمانی معلوم ہوتا ہی کہ ساٹھ سے زیادہ نہیں ہیں۔

آٹھ بجے لوکل آئی بلدہ اور سکندرآباد جانے والے مسافروں کو لے کر ساڑھے آٹھ بجے واپس ہوئی۔ میں یہاں سے حضرت محمد حسین شاہ صاحب مجذوب رحمۃ اللہ علیہ کی درگاہ کی طرف روانہ ہوا جو اسٹیشن سے قریب ہی برخورداران خواجہ نصراللہ و خواجہ اسداللہ و نور چشمی راجہ طولعمرہم غبار صاحب حسن اعلیٰ و نیز دیگر ملازمین ہمراہ تھے۔

حضرت محمد حسن شاہ صاحب مجذوب رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کو پندرہ بیس برس سے زیادہ نہیں ہوئی۔ مجھ پر خاص طور پر شفقت کی نظر تھی مجھے میرا بچہ

کہا کرتے تھے۔ اُن کی قوت باطنی اور روشن ضمیری اس درجہ بڑھی ہوئی تھی کہ آنے والے ارادتمندوں نے اپنے دل میں کسی سوال کا ارادہ کیا قبل اس کے کہ الفاظ میں ادا ہو کہ مجذوب صاحب نے جواب دیدیا وہ کسی کی رعایت نہیں کرتے تھے حکومت باطنی کے با اختیار حاکم تھے۔

فضل اللہ شاہ صاحب ہیں جو اپنے کو مجذوب صاحب کا مُرید بتاتے ہیں اور اکثر یہاں رہتے ہیں ملاقات نہیں ہوئی مگر میں اس امر کا فیصلہ نہیں کر سکتا کہ درصل وہ مجذوب صاحب کے مُرید ہیں۔ مجذوب کسی کو مُرید نہیں کیا کرتے۔

ایک ضعیفہ جو مجذوب صاحب کی درگاہ کی مجاورہ ہے وہ اُسی دالان میں رہتی ہے جس میں مجذوب صاحب اپنا دربار کرتے تھے۔

وہاں سے واپس ہو کر اپنے ڈبہ میں آیا اور فلک نما کے اسٹیشن پر جانے کے احکام جاری کئے۔ یہ ایک لطیفہ ہے کہ شاد نگر سے بلدہ پندرہ کوس ہے باوجود ریل میں سفر کرنے کے چار دن میں ہم بلدہ پہونچیں گے۔

پانچ بجے ہمارے ڈبہ اٹاچ کئے گئے اور چھ بجے شام کے بخیر و خوبی اسٹیشن فلک نما پر پہونچے میرا قصد تھا کہ آج شب کو اسی اسٹیشن پر رہوں لیکن بچوں نے ڈیوڑھی چلنے پر اصرار کیا موٹریں اور بگیاں تیار تھیں ہم سب بخیر و عافیت ایک مہینے دس دن کے بعد شاد محل میں داخل ہوئے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی اِحْسَانِہٖ ؎

ضمیمہ

روزنامچہ ہذا کے گزشتہ صفحات میں خواجہ بازار کے سنگ بنیاد قایم کرنے کے متعلق لکھ آیا ہوں ۱۲۔ جمادی الاوّل سنہ ۱۳۴۰ھ ۹۔ اسفندار سنہ ۱۳۳۱ف ۱۱۔ جنوری سنہ ۱۹۲۲ء چہارشنبہ کو میرے وارث و جانشین خواجہ پرشاد سلمہ اللہ تعالیٰ نے اس بازار کا سنگ بنیاد رکھا خیال تھا کہ ختم سال تک دوکانیں وغیرہ تیار ہو جائیں گی لیکن ع

سالیکہ نکوست از بہارش پیداست

تمام علاقہ اور اطراف واکناف کے بیوپاریوں نے اس کا سنگ بنیاد قایم ہوتے ہی اس کے افتتاح کا تقاضا شروع کر دیا اور یہاں تک آمادگی ظاہر کی کہ جب تک دوکانیں تیار ہوں ہم جھونپڑیاں اور کرسیاں ڈال کر خرید و فروخت کریں گے اُن کے اصرار پر میں نے معتمد اسٹیٹ کو احکام جاری کردے کہ ٹٹیاں ڈال کر دوکانداروں کے آسایش کا فوری انتظام کیا جائے چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ منجمانہ حساب سے دن تاریخ اور ساعت سعید کا تعین بیوپاریوں پر ہی منحصر رکھا گیا تمام دوکانداروں نے بالاتفاق

۴۔ شعبان سنہ ۱۳۴۰ھ ۳۰۔ اردی بہشت سنہ ۱۳۳۱ف ۳۔ اپریل سنہ ۱۹۲۲ء

دوشنبہ

کو افتتاح کرنے کی مجھے اطلاع دی۔

میں نے اپنے اے۔ ڈی۔ سی۔ سیّد مسلم علی صاحب فرزند شمس العلما سیّد علی بلگرامی مرحوم کو دو ڈبّے سکنڈ کلاس اور ایک سیلون کے اسٹیشن فلک نما پر موجود رہنے کے لیئے ہدایت کی۔ اے۔ ڈی۔ سی نے ٹریفک منیجر سکندرآباد سے اس کا انتظام کیا اور میں

۳ شعبان المعظم سنہ ۱۳۴۰ھ ۲۹ اروی بہشت سنہ ۱۳۳۱ف ۲۔ اپریل سنہ ۱۹۲۲ء

یکشنبہ

کو مع کم و بیش اُن ہمراہیوں کے جو پہلے سفر میں میرے ہمراہ تھے بارہ بجے کی ٹرین میں سوار ہوا۔ سید صادق حسین عبّار منتظم اور محمد حسین مہتمم کوتوالی اسٹیٹ یاقوت پورہ سے سوار ہو کر فلک نما پر مجھ سے آکر مل گئے۔ دو بجکر ۵۰ منٹ پر ہم اسٹیشن شادنگر پر پہونچے اسٹیشن پر عہدہ داران مقامی کی علاوہ مولوی خلیل اللہ صاحب معتمد اسٹیٹ اور تمام رعایا اور بیوپاری موجود تھے تین بجے میں اپنے بنگلہ میں داخل ہوا۔

ساڑھے چھ بجے میں اپنے خیمہ سے نکل کر اس مقام کے دیکھنے کے لئے گیا۔ جو بازار کے لئے مخصوص کیا جاکر ٹٹیوں سے محدود کیا گیا تھا۔ بالاپور، فرخ نگر، سردار نگر، مغل گڈہ وغیرہ کے دوکانداروں کا مجمع تھا۔ معتمد صاحب کو

بعض ضروری ہدایتیں دی گئیں۔ وہاں سے اُسی مجمع کے ساتھ باولی وغیرہ کو دیکھتا ہُوا اپنے خیمہ میں آیا۔ مہتمم جیب خاص نے کیمپ کے متعلق کاغذات پیش کئے بعد ضروری ہدایتوں کے واپس کئے۔ دن بھر کی دھوپ سے زمین تپ گئی تھی غروب آفتاب کے بعد بھی زمین سے گرم ابخرے نکلتے رہے۔ مگر دس بجے سے زمین و آسمان میں کسی قدر خنکی محسوس ہونے لگی۔ بارہ بجے سے تو ہوا نے اپنی خوشخرامی سے بدن میں تازہ رُوح پھونکنی شروع کی۔ کھلے ہوئے جنگل کی لطیف و خوشگوار ہوا دل و دماغ کو تازگی بخشتی تھی صبح تک نہایت آرام سے وقت گزرا۔ صبح کے چار بجے برخوردار خواجہ نصراللہ و خواجہ اسداللہ طولعمرہما اپنے ملازمین کے ساتھ موٹر میں سوار ہو کر اسکول جانے کے لئے بلدہ گئے۔

۳۰۔ اردی بہشت ۱۳۳۱ف ۲۳۔ شعبان المعظم ۱۳۴۱ھ ۲۳۔ اپریل ۱۹۲۲ء

دوشنبہ

میں حسب عادت سات بجے باہر آیا اور ٹہلتا ہوا خواجہ بازار کی دوکانیں اور گنج دیکھنے کے لئے گیا۔ آج بازار کے افتتاح اور خرید و فروخت کے لئے پہلا روز ہی ہر قسم کے اجناس سے بھرے ہوئے تھیلے گنج میں رکھے ہوئے تھے ہر آمدنی کے ساتھ دیسی باجا بجتا ہوا آتا تھا۔ جو بھلا معلوم ہوتا تھا دوکانیں مختلف سامانوں کی جمتی جاتی تھیں۔

برخوردار خواجہ پرشاد طولعمرہٗ ہوا خوری کو گئے ہوئے تھے اُن کے آنے تک افتتاح کی رسم کو ملتوی کیا اور میں باولی دیکھنے کے لئے گیا میرے ساتھ معتمد اسٹیٹ. غبار صاحب محمد حسین مہتمم پولیس. کریم الدین منتظم پولیس وغیرہ تھے. برخوردار بھی ہوا خوری سے آگئے. اُن کو لے کر اپنے ہمراہیوں کے ساتھ پھر بازار گیا.

مقامی برہمنوں کی ہدایت کے موافق راجہ طولعمرہٗ کے ہاتھ سے جگناتھ پرشاد مہتمم حبیب خاص نے گنیش کی پوجا کرائی. دیسی باجا بہت زور شور سے بج رہا تھا. راجہ طولعمرہٗ نے پوجا کے بعد پانچ روپیہ برہمن کو دیئے رسم افتتاح عمل میں آئی.

آج پہلا روز تھا جس قدر اجناس اور مختلف قسم کا غلہ اور کپڑا اور سامان جو گاؤں والوں کو ضروریات زندگی میں بکار آمد ہے خرید و فروخت کیا جانے لگا اندازہ کیا گیا ہے کہ ستر اسی بنڈی چاول اور اُسی قدر جوار وغیرہ علاوہ اور تمام اشیاء کے گنج میں آیا اور تمام و کمال فروخت ہوگیا. چار بجے بازار بھر گیا تھا اور غیر متوقع طور پر چار پانچ ہزار آدمیوں کا مجمع تھا. آج بلدہ سے آنے والی ٹرین بہت دیر سے پہونچی اس قدر لیٹ تھی کہ محبوب نگر سے اور بلدہ سے آنے والی ٹرینوں کا اسٹیشن شاگرد نگر میں کراس ہوا بلدہ سے سرپت راؤ مددگار اور کشن راؤ محاسب آئے مغل گڈہ کی رعایا سے جو وینکٹ تماریڈی وسیمکہ مغل گڈہ

کی سرحد کی بھی دیسمکھ نے نذریں دلوائیں اپنے لئے زمین وغیرہ دینے کے لئے درخواست دی وہ بھی اس بازار میں حصّہ لینا چاہتی ہیں میں نے منظوری دی

چھ بجے میں اپنے خیمہ سے نکل کر پھر بازار میں گیا ہر دوکان کو تفصیلی نظر سے دیکھتا ہوا واپس آیا اور شامیانہ میں آکر بیٹھا۔

غبار صاحب نے کچھ دعائیہ اشعار برخوردار خواجہ پرشاد طول عمرہٗ و قدرہٗ کو پڑھکر سنائے جس میں سنگ بنیاد کی تنصیب اور افتتاح خواجہ بازار کی تاریخی مادّہ بھی تھے اور جو حسب ذیل ہیں:-

قطعہ تاریخ تنصیب سنگ بنیاد و افتتاح خواجہ بازار واقع شادنگر

خواجہ پرشاد بہادر ہیں یہاں آئے ہوئے — سطح صحرا ہو کیوں شادنگر کا گلزار
مہر مہاراجہ بہادر کے یہ ہیں لخت جگر — وارث دولت و اقبال ہیں یہ راجکمار
عزت مسند اقبال نریندر[1] ہیں یہی — رونق محفل شاداں[2] ہیں رہیں خوش ہموار
چشم بد دور جلالت ہے عیاں چہرہ سے — بارک اللہ لڑکپن پہ بزرگی ہے نثار
اے خدائے دو جہاں بہر رسول عربی — خواجہ پرشاد ہوں جبتک ہیں جبال او بحار

۱؎ تخلص مہاراجہ نارائن پرشاد نریندر بہادر
۲؎ تخلص مہاراجہ چندو لعل بہادر

سایہ ماں باپ کا سر پر ہی ان کے دایم
سر پہ پھر ابندھی اللہ وہ دن دکھلائے
صاحب دولت و اقبال ہمیشہ یہ رہیں
سنگ بنیاد جو خواجہ نے رکھا ہی دل سے
افتتاح اس کا مہاراجہ بہادر نے کیا
آپ کو آپ کی اولاد کو اللہ رکھے
تاریخ نکالی یہ کہتا کہ مبارک ہی یہ سال
خواجہ پرشاد بہادر کہو تم بھی آمین
تم سلامت رہو پروان چڑھو دولھا بنو
تم ہو فرزند سخی کے تو سخی ہو خود بھی

خواجہ پروان چڑھیں بحر رسول مختار
خواجہ پرشاد دولھن بیاہ کے لائیں بوقار
جب تلک دہر ہی قایم رہی ان کی سرکار
تا ابد شاد نگر میں ہو اخواجہ بازار
تا بہ آبادی[22] دنیا[19] رہیں قایم سرکار
افتتاح اس کا مبارک بر رسول مختار
شاد آباد رہے بانی[13] خواجہ بازار
صدق نیت سے دعا گو ہے تمہارا یہ غبار
سایہ ماں باپ کا سر پر ہو تمہارے ہموار
تم کو اور ہم کو مبارک یہ خوشی کا دربار

بعد اس کے معتمد اسٹیٹ محاسب تحصیلدار مہتمم کوتوالی منتظم کوتوالی دیکھ مغل گڈھ وغیرہ نے نذریں پیش کیں۔

آسمان کی نیلی چادر پر سفید ابر کے ٹکڑوں کا جال پھیلا ہوا ہی جو سمٹ کر ابر غلیظ کی صورت میں آسمان پر پھیل گیا اور تقاطر شروع ہو گیا۔ ہوا کی تیزی نے خیموں کی میخوں کو ہلا دیا ایک گھنٹہ تک تقاطر ہوتا رہا۔ ہوا تیزی سے چلا کی بجلیاں چمکتی رہیں۔ رعد گرجا کیا۔ تپتی ہوئی زمین پر اس قدر تقاطر ہونا

انجرات نکلنے کے لئے بہانہ ہوگیا۔

۵۔شعبان المعظم ۱۳۴۰ھ ۳۱۔اردی بہشت ۱۳۳۱ف ۴۔اپریل ۱۹۲۲ء

سہ شنبہ

صبح صحرا پر فضا ہی ہوا خوشگوار ہی ابر کے پھٹے پھٹے ٹکڑے آسمان پر پھیلے ہوئے ہیں میں حسب معمول ساڑھی سات بجے باہر آیا اور ٹہلتا ہوا اسٹیشن پر چلا گیا مولوی خلیل اللہ صاحب معتمد اسٹیٹ محمد حسین مہتمم پولیس میرے ہمراہ تھے۔ تھوڑی دیر کے بعد غبار صاحب بھی وہیں آ گئے بہت دیر تک اِدھر اُدھر کی باتیں ہوتی رہیں۔ساڑھے نو بجے اسٹیشن سے واپس آیا اور شامیانہ میں آ کر بیٹھا سب ہمراہی بھی آکر بیٹھ گئے۔ اُن کے جانے کے بعد تھوڑی دیر آئل کلر پینٹنگ کا شغل رہا۔ دھوپ تیز ہوگئی تھی میں اپنے پرائیوٹ روم میں چلا گیا۔

آج میرا ارادہ یہاں سے برخاست کرنے کا ہی مسرت محل مرحومہ کی چھوٹی لڑکی کو بخار ہی اور شدید بخار ہی۔ ۱۰۵ درجہ ہی ساڑھے دس بجے سے مجھے بھی حرارت محسوس ہو رہی ہے۔ میں اپنے خیمہ سے نکل کر ریلوی ڈبہ میں آکر لیٹ گیا نزلہ سے گلے میں درد ہی برخوردار اقبال نواب طولعمرہٗ کو بھی بخار ہی۔ ارادہ میرا یہ تھا کہ آج یہاں سے روانہ ہوکر عمدہ نگر کے اسٹیشن پر قیام کروں گا اور ۶۔شعبان کو چہار شنبہ کے دن بلدہ پہنچوں گا۔ لیکن وجوہات بالا سے میں نے مددگار منتظم انگریزی کو ڈائرکٹ فلک نما کے ٹکٹ لینے

کے لئے حکم دیا ساڑھے تین بجے زنانہ بھی اپنے اپنے ڈبّوں میں بیٹھ گئے۔
باقی ہمراہی بھی چار بجے اسٹیشن پر پہونچ گئے چار بجکر بیس منٹ پر محبوب نگر
سے آنے والی ٹرین آئی میرے ہمراہی سب اُس میں سوار ہوئے ساڑھے
چار بجے ٹرین روانہ ہوئی اور پونے چھ بجے ہم سب اسٹیشن فلک نما پر مع الخیر
پہونچ گئے۔ یہاں موٹریں اور بگیاں وغیرہ موجود تھیں۔ میں مع زنانہ سوار
ہوکر سات بجے تک ڈیوڑھی میں پہونچا اور سرکار میں اپنی واپسی کی اطلاع
دی۔ میری طبیعت ابھی کسلمند ہے۔ فقط

تمت

باہتمام محمد مقتدیٰ خاں شروانی

مسلم یونیورسٹی انسٹی ٹیوٹ پریس علی گڈھ میں چھپا ۱۳۴۱ھ ۱۹۲۲ء

فہرست کتب

از تصانیف

ہز اکسلنسی راجہ راجایان سرکشن پرشاد مہاراجہ بہادر یمین السلطنت کے سی آئی ای

جی سی آئی ای پیشکار و سابق مدار المہام سرکار عالی المتخلص بہ شاد

تلمیذ حضرت آصف غفران مکان علیہ الرحمہ

نمبر شمار	نام کتاب	قیمت	نمبر شمار	نام کتاب	قیمت
۱	سیر و سفر - - - - -	ع ۸ر	۱۱	فریادِ شاد - - - - -	۱۲ر
۲	سیر پنجاب - - - - -	عہ ۴ر	۱۲	آنکھ والا آنکھ والے کی تلاش میں	۳ر
۳	جامِ جہاں نما - - - - -	عہ	۱۳	موتیوں کی لڑی - - - -	۴ر
۴	بزمِ خیال ہر سہ حصہ - -	سے،	۱۴	مطلع خورشید - - - -	۸ر
۵	رباعیات شاد - - - -	ع،	۱۵	ایمانِ شاد - - - - -	۴ر
۶	ہدیۂ شاد - - - -	عہ ۸ر	۱۶	خمارِ شاد - - - - -	۲ر
۷	اسپیچ محبوب گنج - -	۱ر	۱۷	آئینۂ وحدت - - - -	۴ر
۸	گلبن تاریخ - - - -	۲ر	۱۸	بزم توحید - - - -	۲ر
۹	نسیم سحر - - - - -	۲ر	۱۹	روضۂ شریف - - - -	۵ر
۱۰	نذرِ شاد - - - - -	۲ر	۲۰	نذرِ سلطانی - - - -	۵ر

نمبر	نام کتاب	قیمت
۲۱	جذبۂ شاد - - -	۴ر
۲۲	نغمۂ شاد - - -	۶ر
۲۳	گیانِ رین - - -	۶ر
۲۴	دسہرا - - -	۴ر
۲۵	سفرِ دو ہفتہ - - -	۲ر
۲۶	صُبحِ اُمید - - -	۲ر
۲۷	ارمغانِ زیارت - -	عہ ۴ر
۲۸	مجموعۂ مناجات - -	۲ر
۲۹	شگوفۂ بہار - - -	۲ر
۳۰	دینِ حسینؑ - - - -	۴ر
۳۱	ماتمِ حسینؑ -	۴ر
۳۲	سپاس نامہ	۴ر
۳۳	مخزن القوافی - - -	عہ
۳۴	نورِ چشم - - - -	۸ر
۳۵	آشوبِ عظیم - - -	۳ر
۳۶	مثنوی آئینۂ وجود - -	۳ر
۳۷	مثنوی سرِ وجود - - -	۳ر
۳۸	اقوالِ حضرت علی - - - -	۸ر
۳۹	سوریہ پرکاش - - - - -	۸ر
۴۰	کرشن کلا - - - - - -	۸ر
۴۱	روزنامچۂ شاد نگر - -	زیرِ طبع
۴۲	رین بسیرا - - - - -	۲ر
۴۳	نظم و پیسہ - - - -	۶ پائی
۴۴	معراجِ ترقی - - - -	۲ر
۴۵	سفرِ گلبرگہ - - - - -	زیرِ طبع
۴۶	قومی لیڈر - - - -	۴ر
۴۷	کلامِ شاد - - - -	عہ
۴۸	عرضِ حال - - - - -	۲ر
۴۹	رَن بسیرا - - - - -	زیرِ طبع
۵۰	جوابِ باصواب - - - -	۲ر
۵۱	قدومِ سلطانی - - - - -	۰
۵۲	چنچل نار - - - - - -	زیرِ طبع
۵۳	ضلع جگت - - - - - -	۰
۵۴	پریم بچن - - - - - -	۰